الرسالہ

Al-Risala

July 1997 • No. 248 • Rs. 8

آدمی اکڑ کر ایک ٹیلہ پر بھی نہیں چڑھ سکتا

مگر جھک کر وہ ہمالیہ پہاڑ کے اوپر چڑھ جاتا ہے

The Alhambra Palace, Granada, Spain

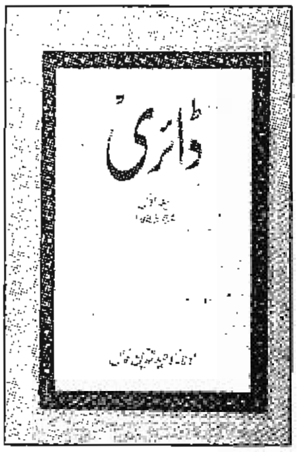

Size 22×14.5cm,
400 pages
Rs. 80

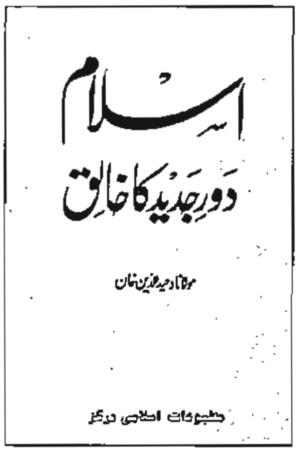

Size 22×14.5cm,
112 pages
Rs. 25

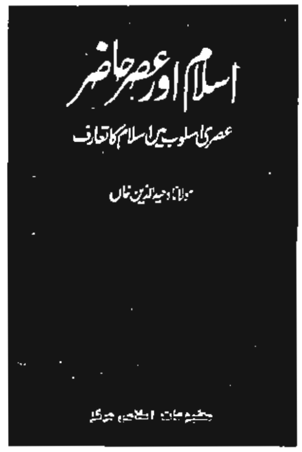

Size 22×14.5cm,
144 pages
Rs. 30

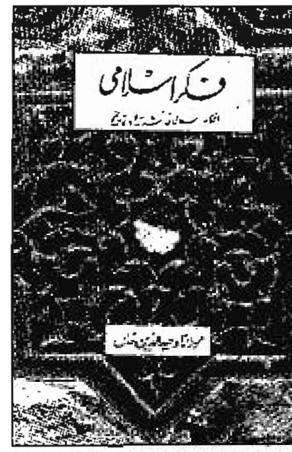

Size 22×14.5cm,
340 pages
Rs. 50

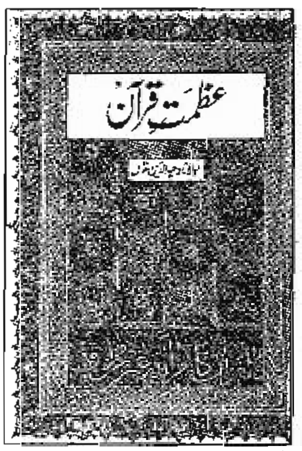

Size 22×14.5cm,
152 pages
Rs. 35

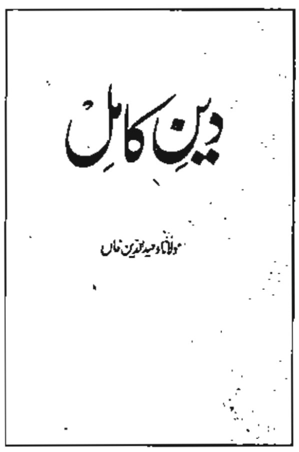

Size 22×14.5cm,
368 pages
Rs. 60

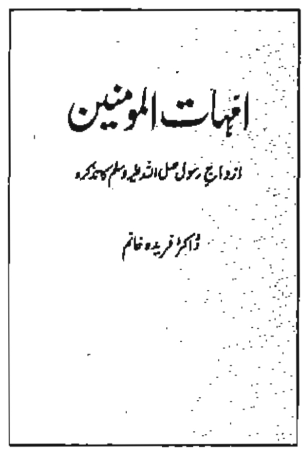

Size 22×14.5cm,
56 pages
Rs. 20

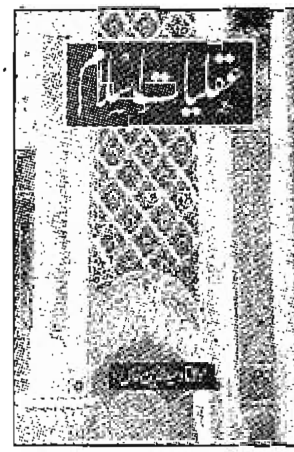

Size 22×14.5cm,
172 pages
Rs. 35

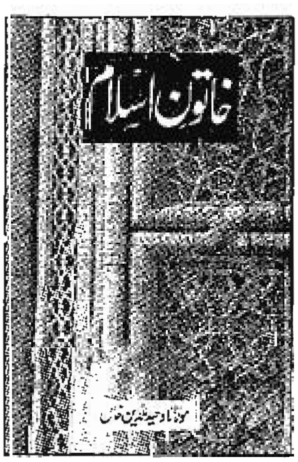

Size 22×14.5cm,
288 pages
Rs. 60

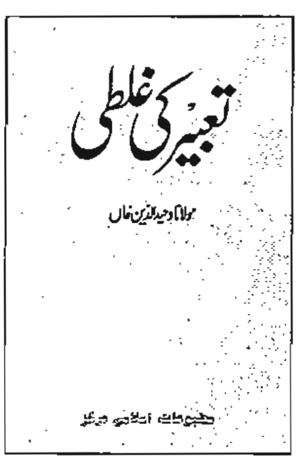

Size 22×14.5cm,
344 pages
Rs. 70

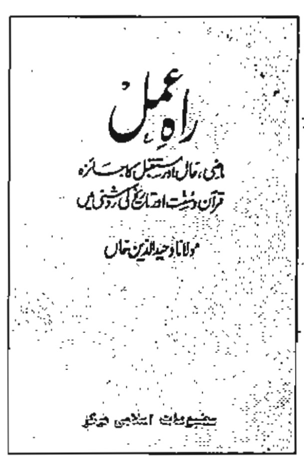

Size 22×14.5cm,
152 pages
Rs. 25

Size 22×14.5cm,
128 pages
Rs. 35

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

Al-Risāla

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla

1, Nizamuddin West Market, Near DESU,
New Delhi-110013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333
e-mail: risala.islamic.@axcess.net.in.

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 8
One year Rs. 90. Two years Rs. 170.
Three years Rs. 250. Five years Rs. 400
Abroad: One year $ 20/£10 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577

DISTRIBUTED IN USA BY
MAKTABA AL-RISALA
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel. 718-2583435

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi. Printed at Nice Printing Press, Delhi.

جولائی ۱۹۹۷، شمارہ ۲۴۸

فہرست

فہرست	صفحہ
اسلامی جہاد	۴
توجیہہ کا فتنہ	۵
تدبیر خندق	۶
امن اور رزق	۷
نئی لہر	۸
فتح کا راز	۱۰
غلطی کا اعتراف	۱۱
میں ویجیٹیرین ہوں	۱۲
غلط فہمی	۱۳
علم انسانی	۱۴
حدیث کا مطالعہ	۱۵
آدم کی تخلیق	۱۸
دو انسان	۲۲
راجستھان کا سفر	۲۴
خبرنامہ اسلامی مرکز	۴۶

اسلامی جہاد

جہاد کیا ہے۔ جہاد پر امن جدو جہد کا دوسرا نام ہے۔ آج کل کی زبان میں جہاد کو پیس فل ایکٹوزم (peaceful activism) کہا جاسکتا ہے۔ یعنی پر امن ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے کسی اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

جہاد کے لفظی معنی کوشش یا جدو جہد کے ہیں۔ قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ خدا کی کتاب کے ذریعہ ان کے اوپر جہاد کبیر کرو (الفرقان ۵۲) ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کے لیے اپنے نفس سے مقابلہ کرے (المجاهدُ من جاهدَ نفسَه في طاعة الله) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے۔ یہ ایک مہم تھی جس میں کوئی جنگ پیش نہیں آئی۔ واپسی کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں (رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر)

جہاد تمام تر ایک پر امن عمل کا نام ہے۔ انفرادی اعتبار سے جہاد یہ ہے کہ آدمی نفس کی ترغیبات سے اور ماحول کی ناخوش گواریوں کے باوجود خدا کے پسندیدہ راستہ کو نہ چھوڑے۔ مخالفانہ اسباب کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ اپنے آپ کو حق کی روش پر قائم رکھے۔ اجتماعی اعتبار سے جہاد کو پر امن جدو جہد کہا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اسلامی مقصد کے لیے جب کوئی تحریک اٹھائی جائے تو اس کو مجاہدانہ انداز سے آگے بڑھایا جائے نہ کہ متشددانہ انداز سے۔ متشددانہ انداز میں آدمی طاقت پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مجاہدانہ انداز یہ ہے کہ ترغیب کے فطری طریقہ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے مقصد کو حاصل کیا جائے۔

مجاہدانہ اسلوب میں سب سے زیادہ اعتماد ذہنی بیداری پر کیا جاتا ہے۔ لوگوں کے اندر صحت مند اسپرٹ جگائی جاتی ہے۔ تعمیری شعبوں میں مثبت استحکام پر ابھارا جاتا ہے۔ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کے اندر اعلیٰ کردار پیدا ہو۔ لوگ دوسروں کے لیے نفع بخش بنیں۔ لوگوں کے اندر دوسروں کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہو۔ جہاد کا ہتھیار محبت ہے نہ کہ نفرت اور تشدد۔

توجیہہ کا فتنہ

غلطی کی ایک قسم وہ ہے جس کو قرآن میں لمم کہا گیا ہے (النجم ۳۲) غلطی کی دوسری قسم وہ ہے جس کے لیے قرآن میں تزئین اعمال کے الفاظ آئے ہیں (الانعام ۱۳۷) پہلی قسم سے مراد وہ غلطی ہے جو بشری کمزوری کی بنا پر اتفاقاً پیش آئے۔ اور دوسری قسم سے مراد وہ غلطی ہے جو خوب صورت توجیہہ اور خوشنما تاویل کے تحت کی گئی ہو۔

غلطی کرنا برا نہیں ہے۔ اصل غلطی یہ ہے کہ آدمی غلطی کرنے کے بعد اس پر اصرار کرنے لگے (آل عمران ۱۳۵) کوئی آدمی جب بشری تقاضے کے تحت غلطی کرتا ہے تو وہ اس کو اپنے وقار کا مسئلہ نہیں بناتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا آدمی آسانی کے ساتھ اپنی غلطی کو مان لیتا ہے۔ وہ بہت جلد اس کی تلافی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں توبہ کر کے اپنی غلطی کی اصلاح کر لیتا ہے۔

لیکن دوسری قسم کے انسان کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ ایسا آدمی غلطی کو غلطی سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ اس کے پاس اپنے عمل کے حق میں دلائل کا سرمایہ ہوتا ہے، مثلاً اپنی خود ساختہ لڑائی کو بتانے کے لیے اس کے پاس جہاد فی سبیل اللہ کا نعرہ ہوتا ہے۔ اپنی تخریبی سیاست کے حق میں وہ نفاذِ اسلام جیسے خوب صورت الفاظ پائے ہوئے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے جسم کے ساتھ بم باندھ کر خودکشی کرنے کے لیے بھی اس کو استشہاد (طلب شہادت) جیسی پر فخر تاویل مل جاتی ہے۔ وہ اپنے منفی عمل کو درست ثابت کرنے کے لیے مثبت تشریحات کا سہارا لیے ہوئے ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس دوسری قسم کے لوگ بہت مشکل سے اس کے لیے تیار ہوتے ہیں کہ وہ اپنی غلطی کو مانیں۔ حتیٰ کہ ان کے غلط اقدام کے نتیجہ میں پیش آنے والی تباہی بھی انھیں اپنی غلطی کے اعتراف پر مجبور نہیں کرتی۔ ایسے لوگ عین اپنی نفسیات کی بنا پر اعتراف کو اپنے لیے وقار کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ ان کے لیے رائے کی یہ قربانی جان کی قربانی سے بھی زیادہ مشکل ہوتی ہے، کیوں کہ جان کی قربانی آدمی کو ہیرو بناتی ہے اور رائے کی قربانی میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی لوگوں کے درمیان اچانک زیرو ہو کر رہ جائے گا۔ مقبولیت کھونے کا خوف اکثر حالات میں آدمی کے لیے قبول حق میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

تدبیر خندق

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں جس واقعہ کو غزوۂ خندق کہا جاتا ہے وہ حقیقتاً تدبیر خندق ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ یہ معروف معنوں میں کوئی غزوہ نہ تھا بلکہ وہ غزوہ یا مڈبھیڑ سے بچنے کی ایک کامیاب تدبیر تھی۔

اس موقع پر عرب کے مختلف قبائل بارہ ہزار کی تعداد میں اکٹھا ہو کر مدینہ کی سرحد پر آ گئے۔ اس وقت آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سلمان فارسی ؓ نے اپنی معلومات کی روشنی میں بتایا کہ ایران کے بادشاہ جب جنگ سے اعراض کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنے اور دشمن کے درمیان خندق کھود دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور رات دن کی محنت سے ایک لمبی خندق کھود دی۔ اس طرح فریق مخالف کی پیش قدمی خندق کے دوسری طرف رک گئی اور دونوں فریقوں کے درمیان مڈبھیڑ کی نوبت نہیں آئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ غزوۂ خندق دراصل ایک دانش مندانہ تدبیر تھی۔ اس کا مقصد اپنے اور فریق مخالف کے درمیان ایک حاجز (buffer) قائم کرنا تھا تاکہ ٹکراؤ اور خوں ریزی کے بغیر صورت حال سے نپٹا جا سکے۔

اس معاملہ میں "خندق" کی حیثیت علامتی ہے۔ حالات کے لحاظ سے اس نوعیت کے دوسرے حاجز بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً فرقہ وارانہ جلوس اگر آپ کے علاقہ میں آ کر اشتعال انگیزی کرے تو خود سامنے نہ آ کر پولیس کو بلایا جائے اور اپنے اور جلوس کے درمیان پولیس کو حاجز (بفر) بنا دیا جائے۔ اسی طرح دو فریقوں کے درمیان نزاع پیدا ہونے کے بعد اگر معاملہ کو سلجھانے کے لیے ثالثی بورڈ کو استعمال کیا جائے تو اس بورڈ کی حیثیت بھی گویا کہ ایک بفر کی ہوگی۔

مڈبھیڑ سے بچنا اور اپنے اور مخالف فریق کے درمیان کسی تیسری چیز کو بفر بنانا بھی پیغمبر اسلام کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ یہ سنتِ تدبیر بھی اتنی ہی اہم اور مقدس ہے جتنی کہ پیغمبر کی دوسری سنتیں۔

امن اور رزق

قرآن کی سورہ نمبر ۱۶ میں ارشاد ہوا ہے کہ۔ اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے کہ وہ امن و اطمینان میں تھے۔ ان کو ان کا رزق فراغت کے ساتھ ہر طرف سے پہنچ رہا تھا۔ پھر انھوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا ان کے اعمال کے سبب سے (النحل ۱۱۲)

دنیا بھر میں فطری طور پر جو نظام قائم کیا گیا ہے اس کے مطابق دو چیزیں آسانی کے ساتھ انسان کو مل جاتی ہیں۔ ایک امن اور دوسرے رزق۔ اگر انسان ان دو چیزوں کے ملنے پر قانع ہو جائے تو وہ نہایت آسانی کے ساتھ آسودہ زندگی کو حاصل کرے گا۔ مگر انسان کی علو پسندی اس کو تیسری چیز کی طرف دوڑاتی ہے اور وہ اقتدار ہے۔ یہی اقتدار کی حرص وہ چیز ہے جو سماجوں میں فساد پیدا کرتی ہے۔

کسی انسانی سماج میں اگر ایسے حالات ہوں کہ لوگوں کو امن حاصل ہو اور رزق کی سرگرمیاں کسی رکاوٹ کے بغیر جاری ہوں تو گویا کہ انھیں ان کی بنیادی ضرورتیں حاصل ہو گئیں۔ اگر وہ ان دو چیزوں کے ملنے پر راضی ہو جائیں تو وہ اس چیز کو پالیں گے جس کو آسودہ زندگی کہا جاتا ہے۔ ان دو بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد جو لوگ اقتدار کا جھگڑا کریں وہ خدا کی نظر میں سرکش ہیں۔ وہ کفرانِ نعمت کے مجرم ہیں۔ یعنی فطرت کے نقشہ پر راضی نہ ہونا اور اپنی خواہش کے مطابق فطرت کا نیا نقشہ بنانے کی کوشش کرنا۔

موجودہ دنیا میں کسی انسان کے لیے اصل اہمیت کی چیز یہ ہے کہ وہ حق کی معرفت حاصل کرے۔ وہ خدا کا تابعدار بن کر زندگی گزارے۔ وہ اپنے اندر اس ربانی شخصیت کی پرورش کرے جو آخرت میں جنت کی لطیف دنیا میں بسائے جانے کے قابل ہو۔ یہ مواقع جب آدمی کو حاصل ہو جائیں تو اس کے بعد اس کی ساری فکر اس کے استعمال پر مرتکز ہو جانی چاہیے نہ یہ کہ وہ ان کے سوا کسی اور چیز کو اپنا مطلوب بنا کر اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔

نئی لہر

نیویارک کے ٹائم میگزین (۲۳ستمبر ۱۹۹۶) کی کور اسٹوری جدید اسلامی تحریکوں کے بارے میں تھی۔ اس کا عنوان تھا : اسلام کا نیا چہرہ۔

The New Face of Islam

اس میں بتایا گیا تھا کہ موجودہ زمانہ میں اٹھنے والی انتہا پسند تحریکیں اب جگہ جگہ امن کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ مثلاً ملیشیا کے انور ابراہیم ابتداءً الاخوان المسلمون کے اثر سے انتہا پسند مسلم نوجوان بن گئے۔ مگر اپنے ملیشیائی مزاج کی بنا پر جلد ہی انھوں نے انتہا پسندی چھوڑ دی اور ملیشیائی لیڈر ماتر محمد کے ساتھ مل کر تعمیری سیاست کے میدان میں سرگرم ہو گئے۔

ستمبر ۱۹۸۹ میں طرابلس (لیبیا) میں ایک انٹرنیشنل کانفرنس ہوئی۔ یہاں میری ملاقات فلپائن کے انقلابی لیڈر مسٹر نور مسواری (Nur Misvari) سے ہوئی۔ اس کی تفصیل الرسالہ جنوری ۱۹۹۰ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں انھوں نے انگریزی میں ایک پر جوش تقریر کی۔ انھوں نے بتایا کہ فلپائن کے جنوبی علاقہ میں ہم آزادی کی جو لڑائی لڑ رہے ہیں اس میں اب تک ۱۲۵ ہزار مسلمان اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں۔

نور مسواری اور ان کے ساتھیوں نے اپنی یہ خونیں تحریک ۱۹۷۱ میں شروع کی تھی۔ آخر کار جان و مال کی زبردست تباہی کے بعد نور مسواری نے تشدد کو چھوڑ کر امن کا طریقہ اختیار کر لیا۔ انھوں نے فلپائن کے جنوبی حصہ کی آزادی کے مطالبہ کو ترک کر دیا اور حالت موجودہ (statusquo) پر راضی ہو گئے۔ اس کے نتیجہ میں انھیں جنوبی فلپائن کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

یہی صورت حال فلسطین سے لے کر بوسنیا تک ہر اس جگہ پیش آ رہی ہے جہاں مسلمانوں نے ابتداءً پر تشدد تحریک شروع کی مگر ہولناک نتائج نے مجبور کر دیا کہ وہ تشدد کو چھوڑ دیں اور امن کا طریقہ اختیار کر لیں۔

ٹائم کے مذکورہ شمارہ میں بتایا گیا ہے کہ چند سال قبل مسٹر نور مسواری خفیہ طور پر ملیشیائی لیڈر ماتر محمد اور انور ابراہیم سے ملے۔ انور ابراہیم نے ٹائم کے نامہ نگار کو اس ملاقات کی تفصیل

بتاتے ہوئے کہا کہ ہم نے فلپائن کے باغی لیڈر سے پر زور تاکید کی کہ وہ جنگ کا طریقہ چھوڑ دیں۔ ہم نے انھیں بتایا کہ ایک ہی ممکن صورت ہے اور وہ امن ہے :

We told him the only option was peace. p. 20

نور مسواری اب مکمل طور پر بدل چکے ہیں۔ جس علاقہ کو پہلے وہ مسلم اسٹیٹ کی شکل دینا چاہتے تھے اب وہ اس پر راضی ہو گئے ہیں کہ وہ اس کو عیسائیوں اور مسلمانوں کے مشترک ملک کے طور پر قبول کریں اور دونوں کی یکساں ترقی کے آرزومند ہوں۔

نور مسواری نے "انقلابی طریقہ" اختیار کیا تو وہ ۲۵ سال میں تباہی کے سوا اور کوئی مثال قائم نہ کر سکے۔ انور ابراہیم نے مصالحانہ انداز اختیار کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملیشیا میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو اقتصادی خوش حالی ملی بلکہ وہاں دینی ترقیاں بھی ہوئیں جس کی ایک علامت کوالالمپور کی وہ مسجد ہے جو دنیا کی سب سے زیادہ بلند مسجد سمجھی جاتی ہے۔

یہ فطرت کا قانون ہے کہ اس دنیا میں ہمیشہ پر امن جدوجہد نتیجہ خیز ہو اور متشددانہ جدوجہد صرف بے نتیجہ ہو کر رہ جائے۔

اس مختلف انجام کو دیکھ کر اب ساری دنیا میں مسلم رہنماؤں کو ہوش آنا شروع ہو گیا ہے۔ جذباتیت کے بجائے تحمل، تشدد کے بجائے امن اور جوش کے بجائے ہوش کا طریقہ اب مسلم دنیا میں ایک عمومی لہر کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ اس کی مثالیں ہر اس جگہ دیکھی جا سکتی ہیں جہاں پہلے لوگ پر فخر طور پر انتہا پسندی اور تشدد کی زبان بولنے لگے تھے۔

عقل اور اسلام دونوں کا تقاضا ہے کہ جب بھی کسی مقصد کے لیے عمل کرنا ہو تو محض اپنی خواہش کے تحت کوئی اقدام نہ کیا جائے بلکہ حالات کا گہرا جائزہ لے کر ایسا منصوبہ بنایا جائے جو قابل عمل ہو۔ اس معاملہ میں بنیادی اصول یہ ہے کہ پولیٹکل اسٹیٹس کو پر راضی رہتے ہوئے موجود امکانات کو استعمال کیا جائے۔ سیاسی نزاع کھڑی کرنے کے بجائے تعمیری میدان میں پرامن جدوجہد جاری کی جائے۔ حالات کے ڈھانچہ کو بدلے بغیر ملے ہوئے فوائد کو استعمال کیا جائے۔ یہی کسی عمل کا صحت مند آغاز ہے اور اسی طریقہ کو اختیار کرنے والے لوگ کوئی حقیقی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

فتح کا راز

جناب جمیل احمد صاحب (مدراس) نے بتایا کہ وانمباڑی کے ایک مسلمان تاجر حاجی محمد ابراہیم صاحب نے ۱۹۱۰ میں یہاں ایک اسکول قائم کیا جو اب ترقی پاکر کالج بن چکا ہے اور کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ حاجی محمد ابراہیم صاحب نے اپنے آپ کو اس اسکول کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اس وقت مالیات کی سخت کمی تھی چنانچہ وہ روزانہ اپنے گھر سے اس طرح نکلتے کہ ان کے ہاتھ میں ایک کشکول ہوتا تھا وہ لوگوں سے مل مل کر اسکول کے لیے چندہ مانگتے۔ کوئی تھوڑا دیتا اور کوئی زیادہ۔ وہ سارا پیسہ اس کشکول سے ڈالتے رہتے اور شام کو واپس آکر اس کو اسکول کے حساب میں جمع کر دیتے۔

ایک دن وہ وانمباڑی کے ایک دولت مند تاجر کے پاس پہنچے۔ حسب معمول ان کا کشکول ان کے ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے مذکورہ مسلمان تاجر سے اسکول کے لیے چندہ مانگا۔ تاجر نے چندہ نہیں دیا۔ اس کے بجائے وہ محمد ابراہیم صاحب کو سخت سست کہتے رہے کہ تم اپنا کاروبار خراب کر کے اسکول کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ محمد ابراہیم صاحب مذکورہ تاجر کی بات کو نہایت خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ انھوں نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر میں محمد ابراہیم صاحب نے ان سے کہا: ہر آدمی جو کچھ دیتا ہے اُس کو میں اِس کشکول میں ڈال لیتا ہوں۔ آپ نے جو کچھ دیا اس کو بھی میں نے کشکول میں ڈال دیا۔ یہ کہہ کر انھوں نے مذکورہ تاجر کو سلام کیا اور اطمینان کے ساتھ واپس آ گئے۔

یہ سادہ سا جملہ مذکورہ تاجر کے لیے اتنا سخت ثابت ہوا کہ وہ رات بھر سو نہیں سکے۔ اگلے دن اور رات بھی ان کی بے چینی بدستور جاری رہی، یہاں تک کہ تیسرے دن انھوں نے حاجی محمد ابراہیم صاحب کو بلایا۔ ان سے اپنے رویہ کی معافی مانگی۔ اس کے بعد انھوں نے گھر کے اندر سے اشرفیاں منگائیں اور ان کا کشکول اشرفیوں سے بھر دیا۔ محمد ابراہیم صاحب اگر مذکورہ تاجر کی بات پر مشتعل ہو جاتے تو بے فائدہ ٹکراؤ کے سوا اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا مگر جب انھوں نے منفی رویہ کا جواب مثبت رویہ سے دیا تو صرف الفاظ ہی ان کی جیت کے لیے کافی ہو گئے۔

غلطی کا اعتراف

غلطی کرنا انسان کی صفت ہے۔ انسان کی تخلیق اس ڈھنگ پر ہوئی ہے کہ وہ کسی بھی
میں غلطی سے بچ نہیں سکتا۔ اس دنیا میں فرد سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں اور جماعتوں سے بھی
ایسی حالت میں اصل اہمیت کی چیز یہ نہیں ہے کہ کسی انسان نے غلطی کی یا غلطی نہیں کی۔ بلکہ اص
اہمیت کی چیز یہ ہے کہ غلطی پیش آنے کے بعد اس کا رویہ کیسا رہا۔

اس اعتبار سے انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ لوگ جو غلطی کرنے کے بعد یہ چاہتے ہیں
وہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کریں، وہ اپنی غلطی کو کسی نہ کسی طرح دوسرے کے اوپر ڈال دیں۔ ایسے لو
تمام معلوم واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حتی کہ وہ ثابت شدہ حقیقتوں کو رد کر دیتے ہیں۔ صر
اس لیے کہ انھیں اپنی غلطی نہ ماننا ہو۔ وہ تمام دنیا کو غلط قرار دے دیتے ہیں صرف اس لیے کہ ان
یہ نہ کہنا پڑے کہ "میں نے غلطی کی"۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر قائم ہوں۔ جنھوں نے اپنی فط
کو اس کی اصل حالت پر زندہ رکھا ہو۔ ایسے لوگ اپنے مزاج کے اعتبار سے اس کا تحمل نہی
کر پاتے کہ وہ غلطی کرنے کے باوجود غلطی کا اعتراف نہ کریں، وہ اپنی غلطی کو کسی دوسرے کے سر
ڈال کر مطمئن ہو جائیں۔

ایسے کسی انسان سے جب ایک غلطی ہو جاتی ہے تو اس کے اندر شدت سے شرمند
کا احساس جاگ پڑتا ہے۔ اس کا پورا وجود اس کو ملامت کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنے اندرونی
کے تحت مجبور ہوتا ہے کہ اس کا ضمیر جس چیز کو غلطی بتا رہا ہے اس کو اپنی زبان سے بھی وہ غلط
ہی بتائے۔ وہ بے اختیارانہ طور پر پکار اٹھتا ہے کہ یہ دراصل میری غلطی تھی نہ کہ کسی اور کی۔ حت
کہ اگر اس غلطی میں جزئی طور پر بظاہر کچھ دوسرے لوگ بھی شریک ہوں تب بھی وہ اس کو اپ
ہی غلطی قرار دیتا ہے کیوں کہ اس کے بغیر وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا نہیں کر سکتا۔

غلطی کو وقار کا مسئلہ بنانا انسانیت کی پستی ہے۔ اور غلطی ہو جانے پر سیدھے طور پر اس
کا اعتراف کر لینا انسانیت کی بلندی ہے۔

میں ویجیٹیرین ہوں

بیگم شمشاد محمد خاں برمنگھم میں رہتی ہیں۔ ان کے یہاں کچھ مسلم خواتین ملاقات کے لیے آئیں۔ گفتگو کے دوران انھوں نے کسی کی غیبت شروع کر دی۔ بیگم شمشاد محمد خاں اس گفتگو میں شریک نہیں ہوئیں جب بات لمبی ہو گئی تو انھوں نے کہا مجھے اس گوشت خوری سے معاف رکھو۔ میں تو ایک ویجیٹیرین ہوں۔ ان کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا جس میں غیبت سے منع کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ: تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تم خود ناگوار سمجھتے ہو (۴۹: ۱۲)

مذکورہ خواتین سے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ غیبت کا نقصان سب سے زیادہ خود غیبت کرنے والوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ ان کی نیکیاں ٹرانسفر ہو جاتی ہیں۔ غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کے حساب میں ڈال دی جاتی ہیں جس کی انھوں نے غیبت کی تھی۔

ہمارے سماج میں غیبت کی حیثیت ایک عام برائی کی ہو گئی ہے۔ جب بھی کچھ مرد یا عورت باہم ملیں تو وہ فوراً دوسروں کی برائی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ اتنا زیادہ عام ہو گیا ہے کہ اب لوگوں کو شاید اس کے برے ہونے کا احساس بھی نہیں رہا۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ غیبت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "یہ کہ تم کسی شخص کا ذکر اس طرح کرو کہ وہ سنے تو اسے ناگوار ہو۔" اس نے کہا کہ اے خدا کے رسولؐ اگر میری بات واقعہ کے مطابق ہو۔ آپؐ نے جواب دیا: اگر تمہاری بات واقعہ کے مطابق نہ ہو تب تو وہ بہتان ہے (موطأ امام مالک)

غیبت کرنے والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کرتے ہیں مگر جب وہ سامنے موجود ہو تو وہ اس کو خوش کرنے کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ گویا غیبت اس انسان کا کردار ہے جو ڈبل اسٹینڈرڈ ہو۔ یہ ایک قسم کی اخلاقی بزدلی ہے۔ آدمی اپنے دل میں ایک شخص کے بارہ میں بری رائے رکھتا ہے مگر اس کے سامنے اس کو ظاہر کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا اس لیے وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی برائی بیان کر کے اپنے دل کو تسکین دیتا ہے۔

غلط فہمی

۱۲ مارچ ۱۹۹۷ کو ایرانی علماء کا ایک وفد مرکز میں آیا۔ اس میں سات افراد شامل تھے۔ اس کے قائد مولانا حسن ضیاء توحیدی تھے، وہ زاھدان میں رہتے ہیں۔ ان کا ٹیلی فون نمبر یہ ہے : 0098-541-36698, 0098-541-28686

انھوں نے بتایا کہ صابر طعیمہ کی ایک کتاب ہے۔ اس کا نام "دراسات فی الفرق" (مطبوعہ ریاض) ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے لکھا ہے کہ مشہور شیعہ عالم شیخ کلینی کی کتاب "اصول الکافی" میں درج ہے کہ امامیہ شیعہ اپنے بارہ اماموں کو ابناء اللہ (اللہ کے بیٹے) مانتے ہیں۔ گویا کہ ہمارا اعتقاد عیسائیوں جیسا ہے جو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ میں نے اصل کتاب سے رجوع کیا اور اس صفحہ کو دیکھا جس کا حوالہ کتاب مذکور میں درج کیا گیا تھا۔ میں نے پایا کہ کتاب کی اصل عبارت اس طرح ہے کہ ہم اللہ کے امین ہیں (نحنُ اُمَناء اللہ) انھوں نے کہا کہ مصنف نے "میم" کو "ب" سے بدل دیا اور امامیہ کی طرف غلط طور پر وہ عقیدہ منسوب کر دیا جس کے کفر میں کوئی شک نہیں (بدّلَ المیم باءً وافتری علی الشیعۃ الامامیۃ شیئاً لا شکّ فی کفر من اعتقدہ)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلط فہمیاں کس طرح پیدا ہوتی ہیں حتی کہ آدمی بددیانت نہ ہو بلکہ وہ مخلص اور عالم ہو تب بھی وہ سنگین قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے، جیسا کہ مذکورہ مثال میں نظر آتا ہے۔ مصنف نے "اُمَناء" کو "اَبناء" پڑھ لیا۔ اور اس کے بعد وہ بات لکھ دی جو اصل واقعہ کے بالکل خلاف تھی۔

کسی شخص کی طرف ایک بات کو منسوب کرنا بے حد ذمہ داری کا معاملہ ہے۔ ایسے موقع پر لازم ہے کہ حد درجہ احتیاط سے کام لیا جائے۔ پہلے پوری غیر جانب داری کے ساتھ قائل کے منشا کو سمجھنے کی کوشش کی جائے پھر صحت کے ساتھ اس کے قول کو نقل کیا جائے۔ قائل کی طرف وہی بات منسوب کی جائے جو اس نے فی الواقع کہی ہے کسی کی طرف غلط بات منسوب کرنا اگر نادانستہ ہو تو وہ سخت بے احتیاطی ہے اور اگر دانستہ ہو تو عظیم سرکشی۔

علم انسانی

ڈاکٹر البرٹ شوئٹزر (Albert Schweitzer) ۱۸۷۵ء میں فرانس میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۶۵ء میں اس کی وفات ہوئی۔ وہ ایک فلسفی تھا۔ ۱۹۵۲ میں اس کو نوبیل کا پیس پرائز دیا گیا۔ اس نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ اس نے اپنے علمی مطالعہ کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ہم زیادہ علم حاصل کرتے ہیں تو چیزیں زیادہ قابل فہم نہیں ہو جاتیں، بلکہ صرف زیادہ پراسرار بن جاتی ہیں :

As we acquire more knowledge, things do not become more comprehensible—only more mysterious.

یہ بات تمام ان سائنس دانوں نے کسی نہ کسی انداز میں کہی ہے جنھوں نے موجودہ زمانہ میں عالم فطرت کا مطالعہ کیا۔ قدیم زمانہ میں معلومات کی حد قابل مشاہدہ اجسام تک تھی۔ نیوٹن کے زمانہ میں معلومات کی حد ایٹم تک پہنچ گئی۔ آئن سٹائن کے بعد معلومات کی حد الکٹران تک جا پہنچی۔ مگر ساری ترقیوں کے باوجود انسان آج بھی حیرانی کے عالم میں ہے۔ آج بھی وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ معلومات میں اضافہ کے باوجود علم کی آخری حد ابھی بہت دور ہے۔ جو کچھ انسان نے جانا ہے، اس سے بہت زیادہ وہ ہے جس کو جاننا ابھی باقی ہے۔

علم کی اسی لامحدودیت کا یہ نتیجہ ہے کہ جو آدمی جتنا بڑا عالم ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس کے اندر تواضع ہوتی ہے۔ علم کا اضافہ صرف آدمی کے اس احساس کو بڑھاتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر کسی آدمی کے اندر علم کا غرور ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ صرف جاہل ہے، وہ ابھی تک علم سے آشنا نہیں ہوا۔

یہی بات قرآن میں ان الفاظ میں کہی گئی ہے کہ : انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر ۲۸) یعنی اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ علم میں اضافہ خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے، اور خشیت الٰہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی آخری حد تک متواضع بن جاتا ہے۔

حقیقی علم اپنی بے علمی کو بتاتا ہے۔ حقیقی علم آدمی کو صرف اس سے واقف کراتا ہے کہ اس کا خالق کتنا زیادہ عظیم ہے اور اس کے مقابلہ میں میں کتنا زیادہ غیر عظیم ہوں۔ حقیقی علم آدمی کو سچا عبادت گزار بنا دیتا ہے —— اور اسی کے ساتھ سچا انسان۔

حدیث کا مطالعہ

ایک شخص جب حدیث کا تفصیلی مطالعہ کرتا ہے تو وہ پاتا ہے کہ حدیثوں میں کافی اختلاف ہے جو عام طور پر قرآن میں نظر نہیں آتا۔ یہ دیکھ کر وہ الجھن میں پڑ جاتا ہے اور حدیث کی صحت کا انکار کر دیتا ہے۔ مگر یہ کم فہمی کی بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ قرآن میں اسلام کے بنیادی اصول بتائے گئے ہیں جو ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں حدیث اس بات کا ریکارڈ ہے کہ ان غیر متغیر اصولوں کو روزانہ کے بدلتے ہوئے حالات میں کس طرح منطبق کیا گیا۔ عملی زندگی چوں کہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتی، اس لئے فطری طور پر انطباق میں فرق ہو جاتا ہے۔ حدیثوں میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے وہ دراصل اسی فطری فرق کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ وہ حکم کا اختلاف نہیں بلکہ انطباق کا اختلاف ہے۔

مثال کے طور پر ہدیہ کے مسئلہ کو لیجئے۔ ایک طرف بہت سی روایتیں ہیں جن میں ہدیہ اور تحفہ کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کے برعکس روایتیں بھی ہیں۔ مثلاً مؤطا (باب ماجاء فی المهاجرة) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے کو ہدیہ دو، اس سے باہمی محبت پیدا ہوگی اور عداوت جاتی رہے گی (تهادوا تحابوا وتذهب الشحناء) مؤطا الامام مالک، صفحہ ۶۵۳۔

یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ ہدیہ اور تحفہ کے لین دین سے آپس میں انسیت اور محبت بڑھتی ہے۔ اسی طرح ہدیہ اور تحفہ نہ دینے سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی ہدیہ دے اور اس کو قبول نہ کیا جائے تو اس کا برعکس اثر ہوگا۔ آپس میں نفرتیں بڑھیں گی۔ باہمی تعلقات میں کھنچاؤ اور تناؤ کی حالت پیدا ہو جائے گی۔ اس طرح کی کیفیت دیر تک باقی رہے تو ایسے ماحول میں کوئی تعمیری کام کرنا ہی سرے سے ناممکن ہو جائے گا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایا کے تبادلہ کی تلقین بھی کی اور خود بھی اس پر عمل فرمایا۔

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ہدیہ دیا جاتا تو آپ خوشی کے ساتھ اس کو قبول فرماتے تھے (کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل الھدیۃ)

فتح الباری بشرح صحیح البخاری ۲۴۹/۵)

اب جہاں تک اہلِ اسلام سے ہدیہ قبول کرنے کا تعلق ہے، اس میں احادیث میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ لیکن غیر مسلموں کے سلسلہ میں روایات میں اختلاف ہے۔ کچھ روایتیں بتاتی ہیں کہ کسی غیر مسلم نے ہدیہ پیش کیا تو آپ نے شوق کے ساتھ اس کو قبول فرمایا۔ دوسری طرف ایسی بھی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ (انی لا اقبل ھدیة مشرك) فتح الباری ۲۷۳/۵

سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارة والفئ (باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین) میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم فدک (غیر مسلم حکمراں) کا ہدیہ قبول فرمایا۔ پھر عین اسی باب میں دوسری روایت ہے کہ ایک غیر مسلم نے ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا (سنن ابی داؤد ۳/ ۷۰ - ۱۶۹)

یہاں واضح طور پر ایک ہی معاملہ میں دو مختلف مسلک اختیار کیا گیا۔ مگر یہ کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ایک سادہ فطری حقیقت ہے۔ اس فرق کا سبب نفس حکم کا فرق نہیں ہے بلکہ حالات کا فرق ہے۔ اور یہ ایک معلوم بات ہے کہ حالات کی رعایت ہمیشہ ایک حکم کے انطباق میں فرق پیدا کر دیتی ہے۔ اس معاملہ کی وضاحت کے لئے یہاں دو مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار حاکموں اور سرداروں سے ہدیہ قبول فرمایا۔ مثلاً تبوک کی مہم (رجب ۹ ھ) میں آپ نے تیس ہزار اصحاب کے ساتھ سفر فرمایا تھا۔ اس مہم کے ذیل میں جو واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس علاقہ کے مقام ایلہ کا حاکم یوحنا بن روبہ آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے آپ کو ایک سفید خچر کا ہدیہ پیش کیا جو واضح طور پر اس بات کی علامت تھی کہ وہ آپ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ آپ نے خوشی کے ساتھ اس کا ہدیہ قبول فرمایا۔ اس کے بعد معتدل فضا میں اس سے بات ہوئی۔ اس نے آپ سے صلح کر لی اور جزیہ دینے پر راضی ہو گیا۔ (فتح الباری ۳/ ۴۰۵)

یہ واقعہ واضح طور پر تالیفِ قلب کا واقعہ ہے۔ ایک حاکم جس سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت ہے، اگر اس کا ہدیہ قبول نہ کیا جائے تو تلخی پیدا ہوگی اور بہتر تعلق قائم کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اپنی طرف سے اس کو ہدیہ پیش کرنا قربت اور انس کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے غیر مسلم حاکموں سے ان کا تحفہ قبول فرمایا۔ سرداروں اور حکمرانوں سے ہدیہ قبول کرنے کے متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں آئے ہیں۔

ایک انسان جو ایک مشن کا علم بردار ہو وہ اس کا تحمل نہیں کر سکتا کہ لوگوں کے ہدیے اور تحفے قبول نہ کرے۔ ہدایا کے لین دین سے مشن کی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں اور ہدایا کو لینے سے انکار کرنا مشن کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ اس لئے اسلام میں یہ پسندیدہ بات نہیں کہ ہدایا کے لینے سے انکار کر دیا جائے۔

اب دوسری نوعیت کی مثال لیجئے۔ سنن ابی داؤد (۳/ ۱۷۰) اور بعض دوسری کتابوں میں ایک روایت آئی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مشرک عیاض بن حمار المجاشعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹنی بطور ہدیہ پیش کی۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: فانی نھیت عن زبد المشرکین (تو مجھے مشرکوں کا عطیہ لینے سے منع کیا گیا ہے) فتح الباری ۵/ ۲۷۳

واقعات بتاتے ہیں کہ یہ انکار حقیقۃً کوئی انکار نہ تھا بلکہ وہ شفقت کا ایک معاملہ تھا۔ اپنی زبان میں ہم اس کو ایک قسم کا ترغیبی انکار کہہ سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ عیاض بن حمار آپ کی تحریک توحید سے متاثر تھے اور ذاتی طور پر آپ کے عقیدت مند بن چکے تھے۔ مگر ابھی تک انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا۔ آپ نے مذکورہ الفاظ میں ہدیہ کا انکار کر کے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا۔ حسب توقع اس کا مفید اثر ہوا اور جلد ہی انھوں نے باقاعدہ اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ اب ان کو اسلام کی تاریخ میں عیاض بن حمار المجاشعی رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے (حیات الصحابہ ۲/ ۲۴۵)

آدم کی تخلیق

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ ساری کائنات خدا کی تسبیح کر رہی ہے (الجمعہ ۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائناتی چیزیں کامل طور پر خدا کے آگے مسخر ہیں۔ وہ ادنیٰ انحراف کے بغیر اس کی مرضی کی تعمیل کر رہی ہیں۔

کائنات کی یہ تسبیح تسبیحِ تکوینی ہے۔ کائنات کی تسبیح اپنے آزاد ارادہ کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی محکم تقدیر کے تحت ہے۔ کائنات وہی کرتی ہے اور وہی کر سکتی ہے جو اس کے لئے پیشگی طور پر مقدر کر دیا گیا ہے۔ اس کے پاس نہ آزادانہ اختیار ہے اور نہ اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنے آزاد اختیار کے تحت کوئی عمل کرے۔

اب خدا کو منظور ہوا کہ ایک ایسی مخلوق ہو جو خود اپنے اختیار کے تحت خدا کی تسبیح کرے۔ اسی اختیاری تسبیح کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔ انسان کو وہی دین اپنی آزاد مرضی کے تحت اختیار کرنا ہے جس کو بقیہ کائنات مجبورانہ طور پر اختیار کئے ہوئے ہے۔

اختیاری تسبیح کے اس مقصد کے لئے پہلے جنات کو پیدا کیا گیا تھا۔ اور ان کو زمین پر بسایا گیا تھا۔ مگر جنوں نے سرکشی کی۔ انھوں نے زمین پر فساد کیا۔ چنانچہ انھیں معزول کر دیا گیا اور زمین ان کے قبضہ سے لے لی گئی۔

جن کا تخلیقی مادہ آگ تھا۔ آگ میں طاقت زیادہ ہے۔ مگر اس میں سرکشی بھی زیادہ ہے۔ اب خدا نے انسان کی صورت میں ایک اور مخلوق پیدا کی جس کا مادۂ تخلیق مٹی تھی۔ مٹی میں طاقت کم ہے مگر اسی کے ساتھ اس میں سرکشی بھی کم ہے۔ آگ شدت کی نمائندہ ہے اور مٹی نرمی اور اعتدال کی نمائندہ۔

انسان چوں کہ جن کے بعد آیا تھا اس لئے اس کو خلیفہ کہا گیا۔ یعنی سابق ساکنان ارض کی جگہ آنے والا۔ انسان کو پیدا کر کے اس کو جنت میں بسانے کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ جنت انسان ہی کے لئے ہے۔ انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ تسبیح اختیاری کا ثبوت دے اور اس کے انعام کے طور پر جنت کی پر راحت دنیا میں آباد رہے۔

انسان کی پیدائش پر فرشتوں کا اشکال اس لئے تھا کہ انھوں نے انسان کو جنا
پر قیاس کیا۔ انھوں نے سمجھا کہ آزادی پاکر جب پہلی مخلوق سرکش ہوگئی تو نئی مخلوق بھی ضر
اسی طرح سرکش ہو جائے گی۔ اس وقت خدا نے عملی مظاہرہ کرکے فرشتوں کو بتایا کہ آتشیں مخلو
کے مقابلہ میں یہ خاکی مخلوق مختلف ہوگی۔ اگرچہ ان میں بھی بہت سے سرکش لوگ نکلیں گے۔ لیکن
اسی کے ساتھ ان میں ایسے قیمتی افراد بھی نکلیں گے جو ساری مخلوقات کے لئے قابل رشک
قرار پائیں۔

خدا نے جب انسان کو جنت میں بسایا تو فرمایا کہ یہاں کی ہر راحت تمہارے لئے ہے۔
البتہ فلاں درخت کا پھل تم نہ کھانا۔ اس سے مکمل طور پر پرہیز کرنا۔ بائبل میں اس کو اچھے ا
برے کے علم کا درخت (tree of the knowledge of good and evil) کہا گیا ہے۔
یہاں درخت کا لفظ تمثیلی معنی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جنت میں قیام کی شرط صرف ایک
ہے، اور وہ متقیانہ (پرہیزگاری کی) زندگی ہے۔ یعنی یہ کرو اور وہ نہ کرو کے بارہ میں تم
خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کا پابند رہنا ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا تو خدا کی مدد تم سے اٹھ جائے گی
اور تم اسی طرح محروم ہو جاؤ گے جس طرح کسی ملبوس آدمی کو اچانک ننگا کر دیا جائے۔

اس بات کو قرآن میں مختلف انداز سے بار بار بتایا گیا ہے۔ مثلاً فالهمها فجورها
وتقواها (الشمس ۸) یعنی انسان کو یہ سمجھ عطا کی کہ کیا چیز اس کے لئے بری ہے اور کیا چیز ا
اس سے مراد نیکی اور بدی کا وہ وجدانی شعور ہے جو پیدائشی طور پر ہر انسان کی فطرت میں
رکھ دیا گیا ہے۔

شیطان کے بہکاوے پر آدم نے جب ممنوعہ درخت کا پھل کھایا، بالفاظ دیگر، وہ خدا
قائم کی ہوئی حد پر برقرار نہ رہ سکے تو ظاہر ہو گیا کہ صرف ہدایت نامہ دے کر انسانوں کو جنت
میں داخل کرنا کافی نہیں۔ آدم تمام انسانیت کے نمائندہ تھے، ان کی لغزش نے ثابت کیا کہ
معاملہ میں عمومی داخلہ کے بجائے انتخاب کا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے۔

اب یہ منصوبہ بنایا گیا کہ تمام انسانوں کو باری باری جنت کے باہر پہلے زمین پر آ
کیا جائے۔ یہاں زندگی کے مختلف احوال میں ڈال کر ہر ایک کی جانچ کی جائے۔ اور پھر جو ا

پنے عمل سے یہ ثابت کریں کہ آزادانہ ماحول میں بھی وہ تسبیحِ اختیاری کے معیار پر قائم تھے۔ ان کو منتخب کر لیا جائے اور صرف انھیں کو جنت کی معیاری دنیا میں داخلہ دیا جائے۔ گویا پہلے جنت کا داخلہ عمومی تھا، اب جنت میں داخلہ کو انتخابی بنا دیا گیا۔

انسان کے سلسلہ میں خدا کی جو اصل اسکیم ہے وہ یہی ہے کہ ہر آدمی کو محدود مدت کے لئے دنیا کی آزمائش گاہ میں رکھا جائے۔ یہاں اس پر مختلف قسم کے احوال گزریں۔ پھر جو آدمی یہ ثبوت دے کہ تمام احوال سے اوپر اٹھ کر اس نے خدا پرستی کی زندگی گزاری، اور اس طرح اپنے کو جنت کا مستحق ثابت کیا۔ صرف ایسے ہی لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے۔ اور بقیہ تمام لوگوں کو اسی طرح رد کر دیا جائے جس طرح کارخانوں میں ناقص پیداوار رد کر دی جاتی ہیں۔

پیشگی طور پر جنت میں بسانا بھی اس اسکیم کا ایک اہم جزء تھا۔ اس طرح گویا انسان کو وہ قیمتی جنت پہلے ہی دکھا دی گئی جس کی خاطر اس سے یہ قربانی مطلوب تھی کہ وہ دنیا کی ترغیبات کے درمیان رہتے ہوئے اپنے آپ کو جنت کا طلب گار بنائے رکھے۔

آدم انسان اول بھی تھے اور پوری انسانیت کے نمائندہ بھی، ان کو جنت کے مناظر براہ راست دکھادئے گئے۔ اس کے بعد ان کی بعد کی نسلوں میں جنت کا تصور، پیدائشی اور وراثتی طور پر ڈال دیا گیا۔ یعنی وہی چیز جس کو موجودہ زمانہ میں جینٹک تسلسل کہا جاتا ہے۔

اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ ہر آدمی کے اندر ایک آئیڈیل دنیا کا تصور بسا ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ہر آدمی نے اپنے لاشعور میں ایک جنت کو آباد کر رکھا ہے۔ یہی تصورِ جنت آدمی کو ایک ایسا گول دیتا ہے جو اس کو مسلسل متحرک رکھتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دنیا کی تمام سرگرمیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

قرآن (محمد ۶) میں ہے کہ اللہ اپنے صالح بندوں کو جس جنت میں داخل کرے گا وہ وہی جنت ہو گی جس کی انھیں پہچان کرا دی ہے (عرفہا لہم)

اب سوال یہ ہے کہ انسان کو اس جنت کی پہچان کہاں اور کب کرائی گئی۔ جواب یہ ہے کہ اس سے مراد وہی پہچان ہے جب کہ آدم کو جنت میں داخل کر کے اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا۔ انسان اول نے اس جنت کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا۔ بعد کی انسانی نسلوں کو جینٹک کوڈ کی صورت میں وراثتی طور پر اس سے متعارف کرایا گیا۔ پہلے انسان کے لئے جنت کا تعارف ایک شعوری واقعہ

تھا۔ دوسرے انسانوں کو لاشعور کے تحت یہ تعارف حاصل ہوا۔

لاشعور میں بسی ہوئی اس جنت یا اس آئیڈیل دنیا کو عام آدمی اکثر موجودہ زندگی کی رونقوں سے وابستہ کرتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری طاقت لگا دیتا ہے مگر جب وہ اس کو حاصل کر لیتا ہے تو وہ دریافت کرتا ہے کہ وہ اس کے تصورات سے کمتر ہے حقیقت یہ ہے کہ جنت ایک معیاری دنیا ہے اور موجودہ دنیا ایک غیر معیاری دنیا۔ غیر معیاری دنیا کبھی معیاری دنیا کا بدل نہیں بن سکتی اس لئے موجودہ دنیا کا پانا کسی کے لئے حقیقی اطمینان کا باعث بھی نہیں بنتا۔

سجدۂ آدم کا جو واقعہ ہے جس میں فرشتوں نے اور ابلیس نے دو الگ الگ کردار ادا کیا، وہ انسانی آزمائش کے اصولی نکتہ کو بتاتا ہے۔ ابلیس نے جب آدم کے سامنے جھکنے سے انکار کیا تو اس کی وجہ اس نے یہ بتائی کہ میں اس سے بہتر ہوں (انا خیر منہ) اس کو یاد نہیں رہا کہ مسئلہ بہتر اور کمتر کا نہیں ہے بلکہ خدا کے حکم کا ہے۔ جہاں خدا کا حکم آجائے وہاں بظاہر ایک برتر کو بھی اپنے سے کمتر کے آگے جھکنا ہے۔ ایسا نہ کرنا کبر کا مظاہرہ کرنا ہے، اور کبر خدا کی نظر میں سب سے بڑا جرم ہے۔

یہی آزمائش کا بنیادی نکتہ ہے۔ جس طرح خدا نے ابلیس کو آدم کے سامنے جھکنے کا حکم دیا، اسی طرح خدا کا حکم ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کے مقابلہ میں تواضع کی روش اختیار کرے۔ ہر انسان صاحب حق کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے۔ ہر انسان فخر وناز اور کبر و برتری کی نفسیات سے آخری حد تک اپنے آپ کو پاک کر لے۔

جنت میں داخلہ کی یہی بنیادی شرط ہے۔ تاہم انسان کی رعایت کرتے ہوئے توبہ کا طریقہ بھی رکھ دیا گیا۔ یعنی آدمی اگر کسی وجہ سے غلطی کر بیٹھے تو اس کے بعد اس کے اندر ندامت کا جذبہ ابھرنا چاہئے۔ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی غلطی کی اصلاح کر کے دوبارہ صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

دو انسان

مسیلمہ کذّاب (م ۱۲ ھ) نجد کے علاقہ میں یمامہ کا رہنے والا تھا۔ اس مقام کو اب جُبَیلہ کہا جاتا ہے۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، اسی لیے وہ کذاب (جھوٹا) کہا جاتا ہے۔ عربی میں مثل ہے: اکذب من مسیلمۃ۔ یعنی مسیلمہ سے بھی زیادہ جھوٹا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے یمامہ جاکر مسیلمہ سے ملاقات کی۔ مسیلمہ نے پوچھا کہ تمہارے صاحب پر حال میں اترنے والی وحی کیا ہے۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ آپؐ پر ایک سورہ اتری ہے جو نہایت مختصر اور نہایت بلیغ ہے۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ عمرو بن العاص نے اس کو سورہ العصر سنائی:

والعصر۔ ان الانسان لفی خسر۔ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

اس کو سن کر مسیلمہ کچھ دیر چپ رہا۔ اس کے بعد بولا کہ میرے اوپر بھی اسی قسم کا کلام اترا ہے۔ عمرو بن العاص نے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ مسیلمہ نے حسب ذیل الفاظ سنائے:

یا وبر یا وبر و انما انت اذنان وصدر وسائرك حفر ونقر۔

اس کے بعد اس نے پوچھا کہ اے عمرو، تمہارا کیا خیال ہے۔ عمرو بن العاص نے جواب دیا: خدا کی قسم، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم کو جھوٹا سمجھتا ہوں (تفسیر ابن کثیر ۴/۵۴۷) مسیلمہ کو معلوم تھا کہ اس کے یہ الفاظ بالکل لغو ہیں۔ مگر اس نے نعوذ باللہ قرآن کا مذاق اڑانے کے لیے ان کو موزوں کرکے سنایا۔

اب دوسری مثال لیجئے۔ یہ سورہ العصر مکہ میں نازل ہوئی تھی، جب وہ اتری تو بعض صحابہ نے اس کو ایک تختی پر لکھا اور اس کو کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا۔ اس کے بعد مختلف لوگوں نے اس کو پڑھا۔ انھیں میں سے ایک لبید بن ربیعہ العامری (م ۴۱ ھ) تھے۔ وہ بھی نجد کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار اصحاب المعلقات میں ہوتا ہے۔ بعد کو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیعت کرکے اسلام قبول کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام سے ان کا پہلا تاثر سورہ العصر کے ذریعہ ہوا تھا، وہ مکہ آئے اور کعبہ کی دیوار پر لکھی ہوئی مختصر سورہ العصر کو پڑھا۔ ان پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ جوش میں آکر

اسی وقت کعبہ کا طواف کرنے لگے۔ آخر میں انھوں نے کہا : واللّٰہ ما ھذا من کلام البشر (خدا کی قسم، یہ کسی انسان کا کلام نہیں)

اس کے بعد وہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ وہ عرب کے ایک ممتاز شاعر تھے۔ مگر انھوں نے شاعری چھوڑ دی۔ کسی نے پوچھا کہ شاعری کیوں چھوڑی تو جواب دیا : أبعد القرآن (کیا قرآن کے بعد بھی) اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے صرف ایک شعر کہا (ترك الشعر فلم يقل في الاسلام إلّا بيتاً واحداً) الاعلام ۵/۲۴۰

ایک ہی واقعہ ایک شخص کے لیے گمراہی کا سبب بن گیا اور دوسرے آدمی کو اسی سے ہدایت مل گئی۔ اس فرق کا سبب کیا ہے۔ اس کا سبب صرف ایک ہے، اور وہ انانیت ہے۔ مسیلمہ اپنے سینہ میں انانیت لیے ہوئے تھا۔ وہ اپنے کو سب سے بڑا سمجھتا تھا۔ وہ خود اپنی ذات میں گم تھا، اس لیے وہ حق کو دیکھنے سے محروم رہا۔ اس نے اپنے آپ کو جانا، اور اس کی ذات کے باہر جو زیادہ بڑی حقیقت تھی اس کا ادراک کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہو سکا۔

اس کے برعکس معاملہ لبید کا تھا۔ وہ حق کو سب سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کا سینہ خود پسندی سے پاک تھا۔ وہ ذاتی مصالح سے اوپر اٹھ کر حقائق کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس بنا پر جب حق آیا تو فوراً وہ اس کو پہچان گئے، اور اپنے آپ کو فوراً اس کے حوالے کر دیا۔

اس دنیا میں سب سے بڑا جرم حق کا انکار ہے، اور سب سے بڑی نیکی حق کا اعتراف۔ پہلی چیز آدمی کو جہنم میں لے جاتی ہے، اور دوسری چیز اس کو جنت کا مستحق بنا دیتی ہے۔

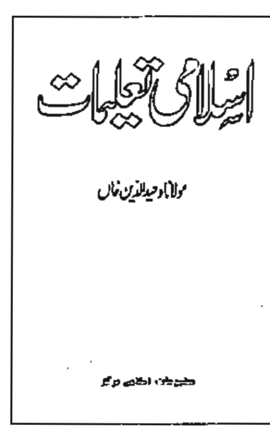

Size 22x14.5cm, 144 pages; Rs. 25

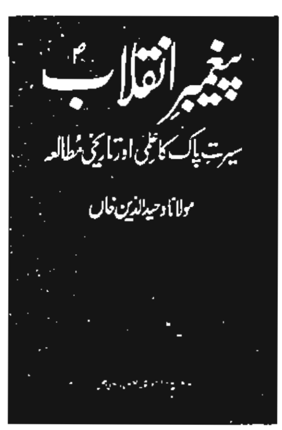

Size 22x14.5cm, 208 pages; Rs. 40

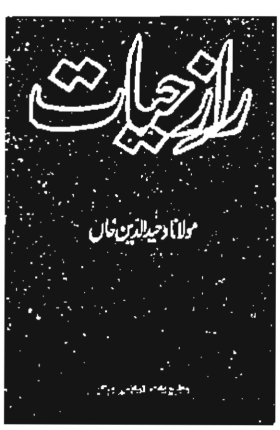

Size 22x14.5cm, 292 pages; Rs. 50

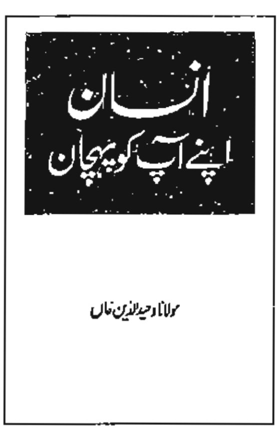

Size 22x14.5cm, 24 pages; Rs. 5

راجستھان کا سفر

بھارت وکاس پریشد کی دعوت پر راجستھان کا سفر ہوا۔ ۳۱ مارچ ۱۹۹۵ کی صبح کو دہلی سے روانگی ہوئی۔ یکم اپریل کی شام کو دوبارہ دہلی واپس آ گیا۔ ذیل میں اس سفر کی مختصر روداد درج کی جاتی ہے۔

۳۱ مارچ ۱۹۹۵ کو فجر سے پہلے گھر سے روانگی ہوئی۔ سڑکیں اور راستے بالکل سنسان نظر آئے۔ کہیں کہیں کوئی کار یا اسکوٹر رینگتا ہوا دکھائی دیا جو اس بات کی علامت تھا کہ یہاں کچھ انسان بھی بستے ہیں۔ میں نے سوچا کہ بڑے بڑے شہروں کی رونق اسی وقت ہے جب کہ وہاں زندہ انسان بھی موجود ہوں۔ شہر اگر زندہ انسانوں سے خالی ہو جائے تو اپنے تمام مادی اور ظاہری ساز وسامان کے باوجود یہ شہر شہر نہ رہیں بلکہ بھوت نگر دکھائی دیں۔

دہلی سے مودی لفٹ کی فلائٹ ۱۲۳ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ ہندستان میں اب پرائیویٹ ہوائی کمپنیوں کا دور آ چکا ہے۔ مودی لفٹ انھیں میں سے ایک ہے جو ایک انڈین کمپنی اور جرمن کمپنی کے اشتراک سے قائم ہوئی ہے۔

پرائیویٹ کمپنیوں کی کارکردگی ہر لحاظ سے سرکاری کمپنیوں سے بہتر ہے۔ آزادی کے بعد ہندستان کی سیاسی قیادت پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاتھ میں آئی جو ۱۹۳۶ میں اپنی آٹو بیاگرافی میں لکھ چکے تھے کہ وہ صرف سوشلسٹ نظام (socialist order) کو تمام مسائل کا حل سمجھتے ہیں۔ آزادی کے بعد جنوری ۱۹۵۵ میں آوڈی (مدراس) میں کانگرس کا خصوصی اجلاس ہوا۔ اس میں جواہر لال نہرو کی پر جوش تحریک اور تجویز پر سوشلسٹ طرز کا سماج (socialistic pattern of society) بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

میں نے اس کے بعد ہی اس کے خلاف ایک مضمون لکھا تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ سوشلزم (معاشی عمل پر حکومت کا کنٹرول) ایک تباہ کن نظریہ ہے۔ اس وقت شاید میں اکیلا تھا جو اس نظریہ کا اتنا شدید مخالف تھا۔ اب یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت بن چکی ہے۔

چالیس سالہ تجربہ میں ملک تباہی کے آخری کنارے پہنچ چکا ہے۔ اب نئی دہلی کی حکومت اپنی نئی اقتصادی پالیسی کے تحت لبرلائزیشن کا دور لا رہی ہے۔ مگر حالات اتنے زیادہ خراب ہو چکے ہیں کہ بظاہر مزید چالیس سال تک بھی اس کی تلافی ممکن نظر نہیں آتی۔

جہاز میں میرے قریب کی سیٹ پر ادھیڑ عمر کا ایک شخص تھا۔ بظاہر وہ نان ریزیڈنٹ انڈین معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ غالباً دو بیگ تھے۔ کسی معاملہ پر وہ ایر ہاسٹس سے بحث کر رہا تھا۔ غالباً ایر ہاسٹس کا اصرار تھا کہ وہ اپنا سامان لاکر (اوپر کے خانہ) میں رکھے۔ اور وہ انھیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ آخر وہ اس سیٹ سے اٹھ کر کسی دوسری سیٹ پر چلا گیا۔ جاتے ہوئے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہہ رہا تھا ——— ہندستان میں رہنا کتنا مشکل ہے:

It is so difficult to live in India.

موڈی لفٹ کی مذکورہ فلائٹ کا وقت صبح پانچ بج کر ۵۵ منٹ تھا۔ گھڑی کی سوئی نے جیسے ہی ۵۵-۵ کا وقت بتایا فوراً جہاز میں حرکت شروع ہو گئی۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر اودے پور پہنچ گیا۔

جہاز میں داخل ہو کر ہم لوگ بیٹھے تو ایر ہاسٹس نے اعلان کیا: موڈی لفٹ کی یہ فلائٹ جے پور ہوتی ہوئی اودے پور جا رہی ہے، دہلی سے جے پور کی دوری چالیس منٹ میں پوری کی جائے گی۔

میں نے سوچا کہ میری قریبی منزل جے پور ہے، مگر میری آخری منزل اودے پور ہے تاہم اور آگے بڑھ کر سوچا جائے تو اودے پور بھی میری قریبی منزل ہے، وہ میری آخری منزل نہیں۔ اصل منزل جو اس کے بعد آنے والی ہے وہ موت اور آخرت ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم راہ چلتے ہوئے ایک مسافر ہو۔

موڈی لفٹ کا فلائٹ میگزین (Take Off) دیکھا۔ اس میں ایک مضمون پرواز (Flight) کے بارہ میں تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ فلارنس کے قریب ۱۴۵۲ میں پیدا ہونے والا لیونارڈو (Leonardo) پہلا شخص ہے جس نے ہوائی پرواز کے لئے ایک علمی

بنیاد (scientific basis) فراہم کی۔ اس نے گہرائی کے ساتھ چڑیوں کا مطالعہ کیا کہ وہ کیسے اڑتی ہیں۔ اس طرح دس سالہ مطالعہ کے بعد اس نے ہوائی پرواز کے ابتدائی اصول وضع کئے۔

"چڑیا" شاید اس لئے تھی کہ انسان کو ہوائی جہاز کی صنعت کی طرف متوجہ کرے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس دنیا میں اشارہ کے انداز میں رکھ دیا ہے تاکہ آدمی ان کا مطالعہ کرکے تمدن کی تعمیر کرے۔ اسی طرح آخرت میں پیش آنے والی حقیقتوں کے پیشگی اشارے بھی اس دنیا میں رکھ دئے گئے ہیں۔ یہاں بھی انسان سے مطلوب ہے کہ ان اشاروں کا مطالعہ کرکے وہ آخرت کی حقیقتوں پر اپنے یقین کو مستحکم کرے۔

ہندستان ٹائمس (۳۱ مارچ ۱۹۹۵) کے پہلے صفحہ پر ایک نمایاں تصویر تھی۔ اس میں وہ فوٹو چھاپا گیا تھا جو امریکہ کی فرسٹ لیڈی (Hillary Clinton) اور ان کی بیٹی (Chelsea) نے آگرہ میں تاج محل کے سامنے بیٹھ کر کھنچوایا تھا۔ صدر امریکہ کی اہلیہ نے تاج محل کو دیکھنے کے بعد بار بار کہا کہ یہاں سے جانے کا جی نہیں چاہتا:

I don't feel like leaving the place.

مغل حکمرانوں نے اس ملک میں عمارتی کشش کے نمونے تو قائم کیے مگر اسلام کی کشش کے اسباب فراہم کرنے میں وہ ناکام رہے۔ انھوں نے اگر ملک میں اسلام کا تاج محل بنایا ہوتا تو شاید یہاں کی سیاحت کرنے والا یہ کہتا کہ ——— اسلام کے سوا کوئی اور دین اب مجھے پسند نہیں آتا۔

جہاز میں دوسرے اخباروں کے ساتھ اکنامک ٹائمس (The Economic Times) کا شمارہ ۳۱ مارچ ۱۹۹۵ بھی تھا۔ اس کے صفحہ اول پر ایک لیبل علیحدہ سے چپکا ہوا تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ یہ فلاں سفری کمپنی (Tours and Travels) کی اسپانسر کی ہوئی کاپی (sponsored copy) ہے۔ اور یہ کہ وہ آپ کی اپنی کاپی ہے:

This is your copy.

مسافروں کے ساتھ اس فیاضی کا سبب کیا تھا۔ اخبار کا ہر صفحہ خاموش زبان میں اس کو بتا رہا تھا۔ کیوں کہ وہ زیادہ تر اشتہارات سے بھرا ہوا تھا۔ اس فیاضی کا مقصد مسافر کو "اخبار"

دینا نہیں تھا۔ بلکہ صرف اپنا اشتہار دینا تھا۔ تاکہ وہ ان کے سامانوں کا خریدار بن سکے۔ اپنے انٹرسٹ کے لئے لوگ مفت اخبار تقسیم کر رہے ہیں۔ مگر دوسروں کے انٹرسٹ کے لئے مفت اخبار فراہم کرنے والا کوئی نہیں۔

درمیان میں جہاز چالیس منٹ کے لئے جے پور میں ٹھہرا۔ کچھ مسافر یہاں اترے، اور کچھ نئے مسافر سوار ہوئے۔ وسیع نگاہ سے دیکھا جائے تو زمین بھی اسی قسم کی ایک زیادہ بڑی سواری ہے۔ ہر روز کچھ لوگ اس سے اترتے ہیں اور کچھ نئے افراد اس پر سوار ہوتے ہیں۔ جہاز کے مسافروں کے لئے ہم اترنے اور چڑھنے کا لفظ بولتے ہیں، اور زمین کے مسافروں کے لئے پیدائش اور موت کا لفظ۔

جے پور راجستھان کی ریاستی راجدھانی ہے۔ جے پور ۱۷۲۷ میں آباد کیا گیا تھا تاکہ امبر کی جگہ اس کو راجدھانی بنایا جاسکے۔ یہ ایک منصوبہ بند شہر ہے جس کی سیدھی سڑکوں کے کنارے گلابی رنگ کی عمارتوں کی قطاریں کھڑی ہوئی ہیں۔ دوسری بہت سی تاریخی عمارتوں کے علاوہ یہاں ایک رصدگاہ (جنتر منتر) ہے جو اٹھارویں صدی میں بغداد کی رصدگاہ کے نمونہ پر بنائی گئی تھی۔

جے پور کی ریاست کو بارھویں صدی میں راجپوتوں نے قائم کیا تھا۔ سولھویں صدی میں وہ مغل سلطنت کے ماتحت آگئی۔ ۱۸۱۷ میں اس پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا۔ ۱۹۴۹ میں اس کو راجستھان میں ضم کر دیا گیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سو سال پہلے ریاست جے پور کی سرکاری زبان اردو تھی۔ اور عدلیہ اور انتظامیہ دونوں شعبوں میں اردو ہی میں کام ہوتا تھا۔ (ماہنامہ ہدایت جنوری ۱۹۹۵، صفحہ ۸۹)

جے پور میں ایک بڑا مدرسہ (جامعۃ الہدایت) قائم ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے دینی تعلیم کے ساتھ کمپیوٹر اور صنعت وحرفت کو بھی اپنے کورس میں داخل کیا ہے۔ اس کی طرف سے ایک ماہنامہ ہدایت نکلتا ہے۔ اس کے شمارہ جنوری ۱۹۹۵ میں ایک مضمون کی چند سطریں یہ تھیں:

(غدر کے بعد) علماء کرام نے انگریزوں سے نفرت کے ساتھ انگریزی سے بھی نفرت کر کے

اور انگریزی کی تعلیم کو ناجائز بلکہ حرام قرار دے کر مسلم قوم کے لئے علوم جدیدہ کی تحصیل کے دروازے بند کر دئے۔ اور اس فیصلہ سے برطانی حکومت کے انتقامی اور عیارانہ وشاطرانہ عزائم کے پر لگا دئے۔ انگریزوں سے نفرت حق بجانب تھی۔ لیکن انگریزی جو علوم جدیدہ کے حصول کا ذریعہ تھی اور جس سے سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم حاصل کر کے مسلم قوم پستی سے ابھر سکتی تھی اور برادران وطن کے شانہ بشانہ چل سکتی تھی، اس کے دروازے مسلم قوم پر خود مسلم علماء نے بند کر دئے (صفحہ ۸۹)

میں اضافہ کروں گا کہ انگریزوں سے نفرت کرنے میں بھی ہمارے علماء یقینی طور پر حق بجانب نہ تھے۔ کیوں کہ یہ انگریز ہمارے لئے مدعو کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور مدعو سے داعی کا متنفر ہونا ہرگز جائز نہیں۔

جہاز جے پور سے روانہ ہو کر اودے پور پہنچا۔ یہ ایک چھوٹا ایر پورٹ ہے۔ یہاں صرف چند جہاز اترتے اور روانہ ہوتے ہیں۔

اودے پور راجستھان کا ایک تاریخی شہر ہے۔ ۱۵۶۸ء میں چتوڑ کے بعد وہ مہاراجہ اودے پور کی راجدھانی بنا۔ اس کے بعد راجہ نے یہاں دو بڑے محل تعمیر کرائے۔ شاہ جہاں نے ۱۶۲۸ میں مغل تخت پر قبضہ کرنے سے پہلے جب اپنے باپ جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تھی تو اس وقت اس نے اودے پور کے ایک محل میں پناہ لی تھی۔ اودے پور کی ریاست سیسودیا راجپوتوں نے آٹھویں صدی عیسوی میں قائم کی تھی۔ ۱۸۱۸ء میں اس پر انگریزوں نے قبضہ کیا۔ ۱۹۴۸ میں اودے پور کو راجستھان میں شامل کر دیا گیا۔

آریہ سماج (۱۸۷۵) کے بانی دیانند سرسوتی نے اودے پور ہی میں اپنی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش لکھی تھی (15/495)

اودے پور ایرپورٹ پر مسٹر رادھے شیام چیچان اور پربھو دیال برلا موجود تھے۔ ان کے ساتھ بذریعہ کار بھیل واڑہ کے لئے روانگی ہوئی۔ راستہ میں حسب معمول میں ان لوگوں سے معلوماتی انداز کی گفتگو کرتا رہا۔

مسٹر رادھے شیام چیچان ایک صنعت کار ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مرکزی حکومت

کی لبرلائزیشن کی پالیسی سے کیا آپ لوگ متفق ہیں۔ انھوں نے کہاکہ لبرلائزیشن اصولی طور پر تو درست ہے۔ مگر حکومت کو اسی کے ساتھ ملکی صنعتوں کو انفراسٹرکچر (بجلی، پانی، سڑک وغیرہ) بھی فراہم کرنا چاہئے۔ ابھی تو یہ حال ہے کہ باہر کی کمپنیوں کو ہر قسم کی سہولت فراہم کی جارہی ہے۔ مثلاً ان کے سارے کام ایک "وِنڈو" پر ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم کو دسیوں وِنڈو پر لائن لگانا پڑتا ہے۔ یہ تو کامپیٹیشن نہیں ہے۔ یہ تو ایک کو پیچھے کرکے دوسرے کو آگے بڑھنے کا موقع دینا ہے۔

"راجستھان" کا عام تصور یہ ہے کہ وہ ریگستانی علاقہ ہے۔ راجستھان کی علامتی تصویروں میں اکثر اونٹ اور صحرا دکھایا جاتا ہے۔ مگر مجھے ایئرپورٹ سے بھیل واڑہ تک کہیں صحرا اور ریگستان نظر نہیں آیا۔ سڑک کے دونوں طرف درخت اور سبزہ اور کھیت کے مناظر تھے۔ میں نے ساتھیوں سے اس کا ذکر کیا تو مسٹر برلا نے کہاکہ میں ایک بار ٹرین سے دہلی سے بھیل واڑہ آرہا تھا۔ راستہ میں ایک خاتون کے ساتھ ان کا بچہ تھا۔ سفر کرتے ہوئے جب ہماری ٹرین راجستھان میں داخل ہوئی تو لڑکے نے اپنی ممی سے کہا: ممی، راجستھان تو آگیا۔ مگر وہ ریگستان کہاں ہے۔

مسٹر برلا نے کہاکہ اصل یہ ہے کہ راجستھان کے صرف ایک علاقہ میں ریگستان ہے۔ مگر ایسا چوں کہ دوسری ریاستوں میں نہیں ہے اس لئے راجستھان کی پہچان ریگستان بن گیا۔ اس غلطی کا تعلق صرف راجستھان سے نہیں۔ اکثر معاملات میں لوگ اس قسم کی غلطی کرتے ہیں، وہ جزئی پہلو کو کل کی پہچان بنا لیتے ہیں۔

راجستھان کا قدیم نام راجپوتانہ تھا۔ برٹش دور میں یہاں اٹھارہ ریاستیں تھیں۔ جہاں راجپوت راجہ راج کرتے تھے۔ اس لئے اس کا یہ نام پڑا۔ ۱۹۴۷ میں آزادی کے بعد ریاستیں ختم ہوگئیں اور اس کا مجموعی نام راجستھان رکھ دیا گیا۔

اس علاقہ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہاں کھدائی میں مٹی کے کچھ برتن ملے ہیں۔ کاربن ڈیٹنگ سے معلوم ہوا ہے کہ ان کی تاریخ ۲۷۰۰ قبل مسیح تک جاتی ہے۔ سولھویں صدی میں یہاں طاقتور راجپوت سلطنت قائم تھی۔ لیکن رانا سنگرام سنگھ (سانگا) اور بابر کی لڑائی

میں رانا سانگا کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد یہ علاقہ مغل سلطنت کے تحت آگیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جہانگیر اور شاہ جہاں دونوں راجپوت ماؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ (15/495)

راجستھان راجاؤں کی سرزمین رہی ہے۔ چنانچہ یہاں کثرت سے تعمیری یادگاریں ہیں جو دور قدیم کو یاد دلاتی ہیں۔ ذیل میں اسی قسم کی ایک خوبصورت عمارت کی تصویر دی جا رہی ہے۔ یہ اودے پور کے پاس ہے۔ اس کو راج سمدر یا جے سمدر کہا جاتا ہے۔

اودے پور سے ڈھائی گھنٹہ کا سفر طے کر کے ہم لوگ بھیل واڑہ پہنچے۔ بھیل واڑہ میں میرا قیام یہاں کے سرکٹ ہاؤس میں کیا گیا تھا۔ سرکٹ (circuit) کے معنی ہیں گھیرا۔ سرکٹ ہاؤس کا لفظ انگریزوں کے زمانہ میں رائج ہوا۔ انگریزی حکومت نے شہری مقامات پر ایک رقبہ مخصوص کر کے اس کے اندر بنگلہ نما مکانات بنائے تھے تاکہ انگریز عہدیدار اپنے دوروں کے وقت وہاں قیام کر سکیں۔ اس قسم کے مخصوص علاقے اب بھی ہر شہر میں موجود ہیں، اور

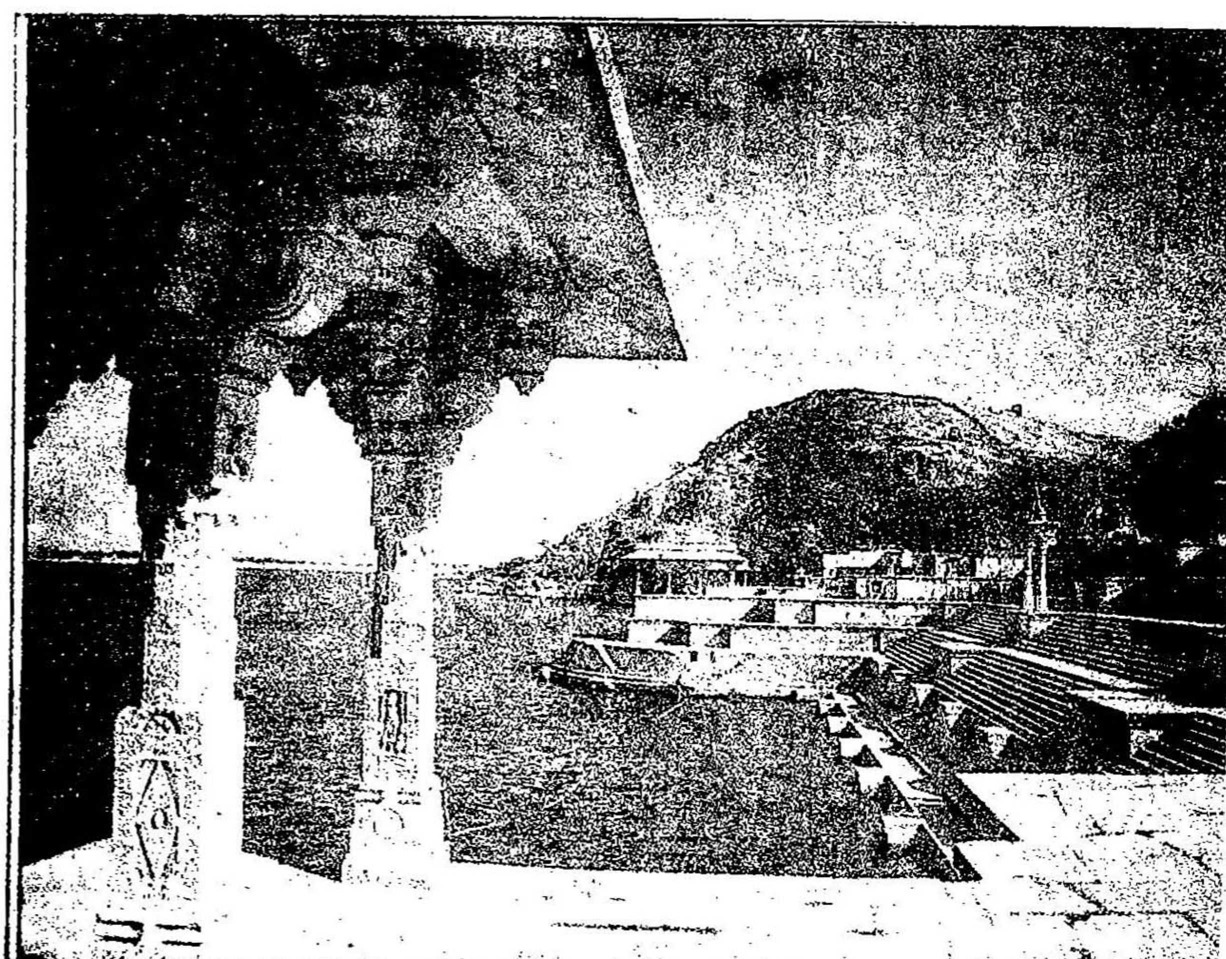

راج سمدر پر بنی ہوئی چوکیاں، جو اب ٹورسٹوں کی کشش کا موجب بنی ہوئی ہیں (راول)

حکومت کے ذمہ دار اپنے سفروں کے دوران وہاں وقتی قیام کرتے ہیں۔ انھیں کو سرکٹ ہاؤس کہا جاتا ہے۔

بھیل واڑہ نے صرف دس سال کے اندر نمایاں ترقی کی ہے۔ بھیل واڑہ نے بھیونڈی کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ حالاں کہ بھیونڈی کو مقابلۃً بہت سے ایڈوانٹیج حاصل تھے۔ "سوٹنگ" میں وہ سارے ملک سے آگے نکل گیا ہے۔

مسٹر گووند نارائن راٹھی جو خود بھی بزنس مین ہیں، انھوں نے بتایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ "یہاں کے لوگوں میں رسک لینے کی استعداد (capacity) ہے مزید یہ کہ یہاں کے لوگ دنگے سے بہت دور رہتے ہیں۔ یہاں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔ اور بزنس کے لئے امن بہت ضروری ہے۔

بھیل واڑہ کی آبادی تقریباً دو لاکھ ہے۔ اس میں ۱۰ فیصد سے کچھ زیادہ مسلمان شامل ہیں۔ یہاں دس مسجدیں ہیں اور اتنی ہی تعداد میں دینی مدرسے ہیں۔ دستورِ ہند نے مسلمانوں کو برابر کے شہری کا درجہ دیا ہے۔ مگر تعلیم اور اقتصادیات میں پیچھے ہو جانے کی وجہ سے عملاً ہر جگہ وہ "دوسرے درجہ" کی کمیونٹی نظر آتے ہیں۔ اس صورتحال کی ذمہ داری تمام تر صرف مسلمانوں کے نااہل رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے۔

بھیل واڑہ کا یہ سفر بھارت وکاس پریشد کی دعوت پر ہوا۔ بھارت وکاس پریشد کا قیام ۱۹۸۵ میں ہوا تھا۔ اس کے آل انڈیا پریسیڈنٹ سپریم کورٹ کے سابق جج شری آر ایس کھنا ہیں۔ راجستھان میں اس کی چالیس شاخیں ہیں۔

بھارت وکاس پریشد ایک غیر سیاسی ادارہ ہے۔ یہ لوگ تعمیری کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ مثلاً اسکول، اسپتال، رفاہ عامہ، خدمت خلق، وغیرہ۔ انھوں نے سوامی ویویکانند کے اس قول کو اپنا ماٹو بنایا ہے کہ راشٹر نرمان۔ ویکتی نرمان۔ یعنی فرد کی تعمیر سے ملک کی تعمیر ہوتی ہے۔ ان کے پروگراموں کے چار اجزاء یہ ہیں: سیوا، سنسکار، سہیوگ، سمپرک۔

ایک بات کا میں نے خود تجربہ کیا۔ اور وہ وقت کی پابندی ہے۔ ان کے تمام پروگرام وقت کی پوری پابندی کے ساتھ انجام دیے گئے۔ ۳۱ مارچ کی شام کے پروگرام میں بھیل واڑہ

کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چند منٹ کی تاخیر سے پہنچے۔ مگر منتظمین نے کلکٹر صاحب کا انتظار کئے بغیر ٹھیک وقت پر اپنا پروگرام شروع کر دیا۔ ہر پروگرام ٹھیک مقررہ وقت پر شروع اور ختم ہوتا رہا۔ یکم اپریل کو مجھے بھیل واڑہ سے بذریعہ کار چل کر ساڑھے چار بجے اودے پور پہنچنا تھا۔ اودے پور میں دوپہر کا کھانا تھا۔ اور یہاں کا مشہور قلعہ دیکھنا تھا۔ پھر ایئرپورٹ پہنچنا تھا جس کا وقت ساڑھے چار بجے مقرر تھا۔ سارے پروگراموں کو پورا کرنے کے بعد جب ہماری کار ایئرپورٹ پہنچ کر کھڑی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ گھڑی کی ایک سوئی چار پر تھی اور دوسری سوئی ۳۰ پر۔

مسٹر نریندر لودھا (بھارت وکاس پریشد کے مقامی صدر) کا ٹیلیفون دہلی میں آیا تھا کہ ۳۱ مارچ کو جمعہ کا دن ہوگا۔ اس دن آپ لوگوں کی خاص نماز ہوتی ہے۔ پھر اس کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ میں نے کہا کہ آپ کسی مسلمان سے کہہ دیں کہ وہ مجھ کو مسجد میں لے جائے۔ وہاں میں نماز پڑھ لوں گا۔

چنانچہ جمعہ سے پہلے سرکٹ ہاؤس میں کئی مسلمان آگئے۔ ان کے ساتھ جا کر یہاں کی اسٹیشن والی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے ہوئے خیال آیا کہ دہلی کی مسجد میں جس طرح میں اپنے آپ کو دوسروں سے مانوس پاتا ہوں۔ اسی طرح یہاں بھی اور ساری دنیا میں باہمی انسیت کا احساس ہوتا ہے۔

اس تجربہ کے بعد خیال آیا کہ اسلامی اتحاد کی بنیاد یہی روحانی یگانگت ہے۔ آپ دنیا کے جس حصہ میں جائیں، آپ محسوس کرتے ہیں کہ دوسرے مسلمانوں کا عقیدہ، ان کی سوچ، ان کا اخلاقی اصول، ان کی عبادت کا طریقہ، وہی ہے جو میرا ہے۔ یہی اشتراک عالمی اسلامی اتحاد کی بنیاد ہے۔ مگر کچھ انتہا پسند لوگوں نے بے بنیاد طور پر یہ نظریہ بنایا کہ سیاسی ادارہ اسلامی اتحاد کی بنیاد ہے۔ یعنی ساری دنیا کا ایک خلیفہ ہو اور تمام لوگ اس کے سیاسی عصا کے تحت منظم ہوں۔ یہ ایک بے اصل نظریہ ہے۔ قرآن و سنت میں اس کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں۔

۳۱ مارچ کو دوپہر کا کھانا سرکٹ ہاؤس میں کھایا۔ لمبی میز پر کئی معزز لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

भारत विकास परिषद, भीलवाड़ा

नववर्ष कार्यक्रम दिनांक 31-3-1995 व 1-4-1995

मौलाना वहीदुद्दीन खान सा. का कार्यक्रम दिनांक 31-3-1995

प्रात: काल 5.55 पर देहली से उड़ान
प्रात: काल 7.50 पर डबोक (उदयपुर) पहुंच
प्रात: काल 8.15 पर डबोक से भीलवाड़ा के लिए कार द्वारा प्रस्थान
दोपहर 12.00 बजे भीलवाड़ा (सर्किट हाउस पर) पहुंच
दोपहर 12.30 भोजन (सर्किट हाउस)
दोपहर 1.20 प्रस्थान नमाज हेतु
दोपहर 1.30 से 2.30 तक नमाज
दोपहर 2.55 बजे बैठक हेतु प्रस्थान
अपरान्ह 3.00 से 4.00 बजे तक सदस्यों के साथ बैठक (सूचना केन्द्र)
अपरान्ह 4.00 से 5.00 बजे तक पत्रकार वार्ता (सूचना केन्द्र)
सांय 5.15 से 7.15 तक विश्राम (सर्किट हाउस)
सांय 7.15 पर प्रस्थान विचार गोष्ठी (सभागार हेतु)
रात्रि 9.15 सभागार से सर्किट हाउस
रात्रि 9.30 भोजन (सर्किट हाउस)
रात्रि 10.30 बजे दीप विसर्जन

दिनांक 1-4-1995

प्रात: काल 8.00 बजे अल्पाहार
प्रात: काल 9.00 बजे चुनिन्दा मुस्लिम बन्धुओं के साथ बैठक, वार्ता
प्रात: काल 10.00 बजे चाय
प्रात: काल 10.30 बजे प्रस्थान चित्तौड़ के लिए (कार द्वारा)
दोपहर 11.30 बजे चित्तौड़ पहुंच
दोपहर 11.30 1.30 से तक दुर्ग भ्रमण
मध्यान्ह 1.30 से 2.00 तक भोजन चित्तौड़
अपरान्ह 2.00 बजे डबोक (उदयपुर) हेतु प्रस्थान
अपरान्ह 4.30 बजे डबोक पहुंच
सांय 5.55 बजे डबोक से उड़ान
रात्रि 8.00 बजे दिल्ली पहुंच

میں نے کھانا شروع کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا: بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک تعلیم یافتہ ہندو نے اس کا مطلب جاننا چاہا۔ میں نے کہا کہ اس کا مطلب ہے میں شروع کرتا ہوں خدا کے نام سے جو نہایت رحیم اور مہربان ہے۔ اسلام میں بتایا گیا ہے کہ آدمی جب بھی کوئی کام شروع کرے تو وہ ان الفاظ کو اپنی زبان سے دہرائے۔ یہ بندہ کی بندگی کا اظہار اور خدا کی خدائی کا اعتراف ہے۔

۳۱ مارچ کو ۳ بجے سہ پہر میں سوچنا کیندر (انفارمیشن سنٹر) میں نوجوانوں کی ایک میٹنگ ہوئی۔ تمہیدی تقریروں کے بعد مجھے موقع دیا گیا۔ میں نے اپنے خطاب میں کہا کہ دو باتیں اگر ہمارے اندر آجائیں تو ملک کی ترقی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ آجکل یہ حال ہے کہ لوگ دیش سے صرف لینا جانتے ہیں، وہ دیش کو دینا نہیں جانتے۔ یہ مزاج نہ صرف ملک کے لئے نقصان دہ ہے بلکہ طویل مدت کے اعتبار سے خود افراد کے لیے نقصان کا باعث ہے۔ ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ ذاتی مفاد کے مقابلہ میں دیش کے مفاد کو اونچا رکھیں۔

دوسری چیز یہ کہ اس ملک کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہندو مسلم جھگڑا ہے۔ یہ جھگڑا تمام تر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ایمرجنسی کے زمانہ میں جب ہندوؤں اور مسلمانوں کو گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا گیا اور وہاں دونوں ایک ساتھ رہے تو ہر ایک نے محسوس کیا کہ ایک دوسرے کے بارہ میں ان کے خدشے بے بنیاد تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اگر کسی طرح صرف اختلاط بڑھ جائے تو تمام غلط فہمیاں اپنے آپ ختم ہو جائیں گی۔

اس میٹنگ کے بعد کافی سوالات آئے جن کا میں نے جواب دیا۔ خاص بات یہ تھی کہ سوالات کے لئے نہایت منظم طریقہ اختیار کیا گیا۔ لوگوں نے کاغذ پر لکھ کر اپنے سوالات صدر صاحب کے پاس بھیج دیئے۔ یہ سوالات ہندی میں لکھے ہوئے تھے۔ صدر صاحب نے ایک ایک سوال کو باری باری پڑھا اور میں نے ہر ایک کا جواب دیا۔ کسی بھی جواب کے بعد دوبارہ سوال نہیں کیا گیا۔ سوالات اور ان کے جوابات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال: آپ دیش میں آنے والے سمے میں کس پرکار کی راج نیتک شاشن ویوستھا کی سمبھاونا دیکھتے ہیں۔ وشیش کر ورتمان سندربھ میں (پرکاش چندر نکل)

جواب: بظاہر حالات امید کی طرف جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ۱۹۹۲ کے آخر میں میں نے بھاجپا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ لوگ کانگرس کے سیکولرزم کو سوڈو سیکولرزم کہتے ہیں۔ اور خود ہندتو کا نام لیتے ہیں۔ مگر سوڈو سیکولرزم کا بدل ہندتو نہیں ہے بلکہ ٹرو سیکولرزم ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ خود بھاجپا کے لیڈر (آڈوانی اور باجپئی) ٹھیک اسی قسم کے الفاظ بول رہے ہیں۔ یہ واضح طور پر ایک صحت مند تبدیلی کی علامت ہے۔

سوال: بھارتیہ سنسکرتی ایوم اسلامک سنسکرتی میں کیا فرق ہے۔ دونوں سنسکرتیوں میں ہم کیا سمانیتا دیں۔ کیا دونوں سنسکرتیاں راشٹر کو سنگھٹت کرنے ایوم نونرمان میں سہاگی ہوسکتی ہیں (جنگیر سنگھ چودھری)

جواب: ہماری موجودہ سنسکرتی ایک نئی سنسکرتی ہے۔ اس کا قدیم بھارتی سنسکرتی سے بہت کم تعلق ہے۔ یہ دراصل ہندستانی تہذیب، اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کے امتزاج سے بنی ہے۔ اور تہذیب یا سنسکرتی ہمیشہ اسی طرح امتزاج ہی سے بنتی ہے۔ یہی مشترکہ تہذیب ہندستان کی تہذیب ہے اور وہی ہماری ترقی کا ذریعہ ہے۔

سوال: شری رام مندر ایوم بابری مسجد کا مدا مندر ایوم مسجد تک سیمت نہیں رہ کر اب یہ ہندوؤں کی ایوم مسلمانوں پرتی شود کا کارن بن گیا ہے۔ اس کمی کو اب کیسے دور کیا جاسکتا ہے۔ ایوم اس سمسیا کا کیا سماٹک سمادھان ہوسکتا ہے۔ کرپیا پرکاش ڈالیں۔ (دامودر اگروال)

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ وقتی طور پر ضرور ایسا ہوا تھا کہ یہ اشو دونوں فرقوں کے لئے پرسٹیج اشو بن گیا تھا۔ مگر حالات کے زور پر اب وہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اب دونوں فرقوں کو محسوس ہونے لگا ہے کہ یہ ایک نان اشو تھا۔ جس کو ہم نے جذبات میں آکر اشو بنا لیا۔

سوال: ہندو شبد راشٹر وادشبد ہے۔ پھر بھی راشٹر کے سبھی ورگ کے لوگ اس کو جاتی کا دھرم سمجھ رہے ہیں۔ اس کا کیا کارن ہے۔ آپ کا اس سمبندھ میں کیا وچار ہے (ریکھا رام چندرانی)

جواب: یہ بات کہ ہندو شبد ایک راشٹر وادشبد ہے، یہ صرف کچھ ہندوؤں کا کہنا

ہے جو بہت چھوٹی مائناریٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ کے بعد ملک کا جو کانسٹی ٹیوشن بنا وہ تمام تر ہندو افراد ہی کا بنایا ہوا تھا۔ مگر اس میں ملک کے شہری کو ہندو نہیں کہا گیا۔ بلکہ انڈین (یا ہندستانی) کہا گیا۔ آپ جب تک کانسٹی ٹیوشن میں ترمیم نہ کر لیں آپ کو ایسا کہنے کا حق نہیں ہے۔

سوال: ایسا کہا جاتا ہے کہ بھارتیہ مسلم آج بھی راشٹر کی مکھیہ وچار دھارا ستھا سے کٹا ہوا ہے۔ تھا اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ ایسا مانتے ہیں۔ انھیں کیسے جوڑا جا سکتا ہے۔ (ہری کرشن رام چندانی)

جواب: میں اس کو نہیں مانتا کہ مسلمان کسی فیصلہ کے تحت نیشنل مین اسٹریم سے کٹا ہوا ہے۔ جو واقعہ ہے وہ یہ ہے کہ نکمے قسم کے مسلم لیڈروں نے جذباتی تحریکیں چلا کر مسلمانوں کو تعلیم میں پیچھے کر دیا۔ اس پچھڑے پن کی وجہ سے مسلمان ملک کی عمومی سرگرمیوں میں جڑ نہیں پاتے۔ اس بنا پر وہ کنارے ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو تعلیم یافتہ بنا دیا جائے تو اپنے آپ وہ تمام ملکی سرگرمیوں میں شریک ہو کر مین اسٹریم میں دکھائی دینے لگیں گے۔

سوال: ہندستان کے مسلم سماج میں ابھی بھی یہ ابھیمان بنا ہوا ہے کہ ہم نے بھارت درش پر راج کیا۔ اسی انک کے کارن وہ بھارتیہ سنسکرتی میں گھل مل نہیں پائے ہیں۔ اس بارہ میں آپ کے کیا وچار ہیں۔ اس کمی کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے۔ (رام کمار چھیپانی)

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ "مسلم سماج" میں یہ ابھیمان نہیں ہے۔ البتہ کچھ نام نہاد مسلم دانشوروں میں ضرور یہ ابھیمان پایا جاتا ہے اور وہ اس قسم کی بولیاں بولتے رہتے ہیں۔ مگر مسلم سماج میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اور حالات کا رخ بتاتا ہے کہ ایسی سوچ کے لوگ بہت جلد تاریخی میوزیم کا حصہ بن کر رہ جائیں گے۔

سوال: کوئی بستی ہندو بستی نہیں۔ پھر کوئی بستی مسلم بستی کیوں (سنجیو اگروال)

جواب: میرے جاننے میں کسی بستی کا نام مسلم بستی نہیں ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی بستی میں سب مسلمان ہوں تو اس کو کوئی مسلم بستی کہنے لگے۔ اسی طرح کسی بستی میں سب ہندو ہوں تو اس کو کوئی شخص ہندو بستی کہنے لگے گا۔

سوال: انتر راشٹریہ استر سے دیکھا جائے تو آج سامپردائے واد کا زہر ہندستان میں

ہی زیادہ دکھ دائی ہوتا جا رہا ہے، ایسا کیوں (نام درج نہیں)

جواب: اس کا سبب ہندستان کا تعلیم میں پچھڑاپن ہے۔ مزید یہ کہ قوموں میں اس طرح کی خرابیاں ہمیشہ انٹرایکشن نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ نوآبادیاتی دور میں ہندستانیوں کا انٹرایکشن دوسری قوموں سے ہوتا تھا۔ آزادی کے بعد نہرو کی "پروٹکشن" کی پالیسی نے یہ انٹرایکشن ختم کر دیا۔ اسی کے یہ سب نتائج ہیں۔ اب نئی سرکاری پالیسی کے تحت دوبارہ ہندستانیوں کا انٹرایکشن دوسری قوموں کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو اپنے آپ یہ برائی ختم ہو جائے گی۔

سوال: کیا دوردرشن یا آکاش وانی سے ایکتا کے نعرے لگانے سے راشٹریہ ایکتا ہو سکتی ہے۔ یدی نہیں تو دونوں ورگوں میں بھائی چارہ کی نیو مضبوط کرنا ہے تو ملّاؤں تتھا سنتوں کو نیترت کرنا ہے تو کون پریرنا دے گا۔ کہیں نہ کہیں دوش ورگوں کا ہے۔ اسے کیسے دور کیا جا سکتا ہے (نام درج نہیں)

جواب: دوردرشن اور آکاش وانی کے پروگراموں سے قومی ایکتا نہیں آ سکتی۔ اس کے لئے سچی کوشش ضروری ہے۔ اور یہ سچی کوشش مذہبی اور روحانی لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ ماضی میں صوفیوں اور سنتوں نے ہی میل ملاپ کی فضا بنائی تھی، آج بھی وہی لوگ ایسا کر سکتے ہیں۔

سوال: ایسا کیوں ہے کہ بھارت میں کئی ورگوں کے ہوتے ہوئے بھی سامپردائک تناؤ صرف دو ورگوں ہی میں پھیلتا ہے۔ کیا اس کا کارن مسلم ورگ کی تناشک منووِرتی ہے یا دھارمک کٹرپن۔ ہندستان میں ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے مسلم ورگ کو ہزار ورش ہونے کے باوجود سنگھرش کو منووِرتی کیوں ہے۔ (نام درج نہیں)

جواب: اس کا صحیح جواب وہ ہے جو ہمایوں کبیر نے دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان میجاریٹی کمیونٹی کے مقابلہ میں نکسٹ ٹو میجاریٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وہی نفسیات ہے جس کو ہندی میں ترپریا کہا جاتا ہے۔ بھائی بہن اگر ترپریا ہوں تو ان میں نوک جھونک ہوتا رہتا ہے۔ یہی مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ تاہم بھائی بہن جب بڑے ہو جائیں تو یہ نفسیات ختم ہو جاتی ہے۔ ہندو اور مسلمان تعلیم کی کمی کی بنا پر

ابھی پختگی کی عمر کو نہیں پہنچے۔ تعلیم بڑھنے کے بعد جب دونوں کا شعور پختہ ہوگا تو یہ حالت اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔

۳۱ مارچ کی شام کو چار بجے سوچنا کیندر (انفاریشن سنٹر) کے ہال میں پریس کانفرنس ہوئی۔ تقریباً سبھی اخباروں کے نمائندے یہاں موجود تھے۔

بہت سے سوالات کئے گئے۔ اکثر ٹیڑھے قسم کے سوالات تھے۔ مگر میں نے تمام سوالوں کا جواب بالکل ٹھنڈے انداز میں دیا۔ پریس کانفرنس کی رپورٹ، نیز پبلک میٹنگ کی رپورٹ یہاں کے تمام اخباروں میں شائع ہوئی۔

پریس کانفرنس میں ایک ہندو جرنلسٹ نے سوال کیا کہ آجکل دیکھا جا رہا ہے کہ مندر اور مسجد دونوں جگہ جانے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں فرقوں کی مذہبی کٹرتا میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس مسئلہ کا حل آپ کے نزدیک کیا ہے۔

میں نے کہا کہ یہ مفروضہ درست نہیں۔ مندر اور مسجد میں جانے کا کوئی تعلق کٹرتا سے نہیں ہے۔ وہاں جانے والے من کی شانتی یا روحانی سکون حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آج ہی کی مثال لیجئے۔ آج میں نے جمعہ کی نماز یہاں کی اسٹیشن والی مسجد میں پڑھی۔ دو ہندو بھائی اپنی گاڑی پر مجھ کو وہاں لے گئے تھے جو اس پریس کانفرنس میں اب آپ کے سامنے موجود ہیں۔ آپ ان سے پوچھ لیجئے۔ جب میں مسجد سے نماز پڑھ کر نکلا تو سیکڑوں مسلمان مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ حالانکہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ میں کٹرتا کے خلاف ہوں۔ اگر وہ لوگ مسجد سے کٹرتا کا سبق لے کر نکلتے تو کبھی بھی مجھ سے ملنے کے لئے اس طرح نہ دوڑ پڑتے۔

میں نے کہا کہ مذہبی کٹرتا کی بات وہ لوگ کرتے ہیں جو سرے سے مذہبی ہی نہیں۔ وہ اپنے سیاسی انٹرسٹ کے لئے مذہب کا اکسپلائیٹیشن کر رہے ہیں۔

۳۱ مارچ کی شام کو ساڑھے سات بجے یہاں کے ٹاؤن ہال میں پروگرام تھا۔ وسیع ہال پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ ضلع کلکٹر سے لیکر تاجر اور وکیل اور ڈاکٹر اور پروفیسر تک سبھی لوگ جمع تھے۔ اس میں اصل تقریر میری ہی تھی۔ اور اسی پروگرام کے لئے مجھے یہاں بلایا گیا تھا۔

میں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ملک کو امن اور ترقی کی طرف لے جانے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے ، دوسری باتوں کے علاوہ میں نے ایک بات یہ کہی کہ کسی قوم کے دانشور قوم کا ذہن بنانے والے (opinion makers) ہوتے ہیں۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک کے دانشوروں نے اس معاملہ میں صحیح کردار ادا نہیں کیا۔ اس کی وجہ سے مسائل پیدا ہوتے رہے۔ لوگوں میں صحیح سوچ نہیں ابھری۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۱۹۷۱ میں انڈیا نے شیخ مجیب الرحمان کا ساتھ دیا اور پاکستان ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تو پاکستان کے دانشوروں نے اپنی قوم میں انتقام کی آگ بھڑکانا شروع کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں انڈیا سے اس کا بدلہ لینا ہے۔ چنانچہ انھوں نے کشمیر کے علاحدگی پسند عناصر کی ہمت افزائی کی۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۹ میں باقاعدہ طور پر وہاں گن کلچر چلوا دیا۔

ایسا ہی کام ہندو دانشوروں کے ایک طبقہ نے کیا۔ انھوں نے بابری مسجد کے معاملے میں ہندو قوم کو یہ بتایا کہ یہ تمہارے لئے دوسری ہار (second defeat) کا مسئلہ ہے۔ ۱۹۴۷ میں تم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہار ہوئی تھی۔ اب دوسری بار تم کو ہار پر راضی نہیں ہونا ہے۔

دونوں فرقوں کے دانشوروں کو وہ کرنا چاہئے تھا جو دوسری عالمی جنگ کے بعد جاپانی دانشوروں نے کیا۔ امریکہ نے ایٹم بم گرا کر جب ہیروشیما کو تباہ کیا تو جاپانی انتقامی نفسیات سے بھڑک اٹھے۔ اس وقت جاپانی دانشوروں نے اپنی قوم سے کہا کہ ۱۹۴۱ میں ہم نے امریکہ کے پرل ہاربر کو تباہ کیا تھا ، انھوں نے ۱۹۴۵ میں ہمارے ہیروشیما کو تباہ کر دیا۔ معاملہ برابر ہو گیا۔ اب ماضی کے انتقام کو چھوڑ کر مستقبل کی تعمیر کی فکر کرو۔ اس طرح جاپانیوں کو عمل کا صحیح تعمیری رخ مل گیا۔

اسی طرح پاکستانی دانشوروں کو کہنا چاہئے تھا کہ ہم نے ۱۹۴۷ میں ان کے ملک کو توڑا تھا، انھوں نے ۱۹۷۱ میں ہمارے ملک کو توڑ دیا۔ معاملہ برابر ہو گیا۔ اسی طرح ہندستانی دانشوروں کو کہنا تھا کہ ۱۹۴۷ میں انھوں نے ہمارے ملک کو بٹوایا تھا جس کا ہمیں غم تھا ، ۱۹۷۱ میں ہم نے ان کے ملک کو دو حصے کر کے معاملہ برابر کر لیا۔ اب اس بات کو چھوڑو اور تعمیر و ترقی کی طرف دھیان لگاؤ۔ مگر بد قسمتی سے دونوں میں سے کسی ملک میں بھی جاپان جیسے دانشور نہیں

ابھرے۔ اس لئے ہم جاپان کی طرح ترقی بھی نہیں کر سکے۔

یکم اپریل کی صبح کو میں سرکٹ ہاؤس (کمرہ نمبر ۴) میں سو رہا تھا کہ باہر سے اذان کی آواز آئی۔ مسجد اگرچہ یہاں سے دور تھی۔ مگر لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ نئے زمانہ کی تکنیک نے کس طرح ہم کو یہ موقع دیدیا ہے کہ ہم خدا کی آواز کو وہاں تک پہنچا سکیں جہاں ہم اپنی زبان سے بولے ہوئے الفاظ کو پہنچا نہیں سکتے۔

میں نے اٹھ کر وضو کیا اور فجر کی نماز ادا کی۔ دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا رہا۔ نئی جگہ پر جب آپ نماز پڑھیں اور رکوع اور سجدہ کریں تو آپ کے اندر نئی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ آپ نئی کیفیات کے ساتھ اپنے رب کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔

صبح کو کچھ لوگ سرکٹ ہاؤس میں آگئے۔ ان سے ملکی اور ملی موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ صبح کی چائے کے لئے "سیرت سرائے" والوں نے بلایا تھا۔ ڈاکٹر چھیپا کے ساتھ انھیں کی گاڑی پر سیرت سرائے گیا۔ یہاں ایک مختصر نشست ہوئی۔

سیرت سرائے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ "سیرت سرائے" کے لفظ سے بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ کوئی ٹوٹی پھوٹی گندی جگہ ہوگی۔ مگر یہ نہایت صاف ستھری جگہ تھی۔ اس میں تقریباً ایک سو کمرے ہیں۔ یہ کمرے مسافروں کو معمولی کرایہ پر دئے جاتے ہیں۔ یہ بلاشبہ ایک مفید ملی خدمت ہے جس کی تقلید ہر جگہ کے مسلمانوں کو کرنا چاہئے۔

اس کے بعد صبح ۹ بجے سوچنا کیندر میں جلسہ تھا۔ یہاں ہندو اور مسلمان دونوں اکھٹا ہوئے۔ ایک ہندو بھائی نے قرآن کا ذکر کیا۔ چنانچہ میں نے اپنی تقریر میں قرآن ہی کو موضوع بنایا۔

میں نے کہا کہ پہلی آیت جو قرآن میں اتری وہ اقرأ تھی۔ یعنی علم حاصل کرو۔ اس وقت مکہ میں بہت سے مسائل تھے، مگر ان مسائل کا ذکر نہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ علم حاصل کرو۔ اس سے ایک نہایت اہم اصول معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ قرآن کا طریق عمل ہے — مسائل خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، ان کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے عمل کا آغاز ہمیشہ علم اور شعوری بیداری سے کرنا۔ اس سلسلہ میں قرآن اور اسلامی تاریخ سے تفصیلات بیان کی گئیں۔

اس درمیان میں مسلسل ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لوگوں نے مختلف قسم کے سوالات کیے اور میں اپنے انداز میں ہر ایک کو جواب دیتا رہا۔ ایک سوال یہ تھا کہ اسلام کیا غیر مسلموں کے تئیں نفرت کی تعلیم دیتا ہے۔

میں نے کہا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اسلام تمام انسانوں کے ساتھ محبت کی تعلیم دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور انسان سے نفرت یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ کسی دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس سلسلہ میں مختلف حدیثیں پیش کیں جو بتاتی ہیں کہ ایمان کس طرح آدمی کے اندر اعلیٰ انسانی اخلاق پیدا کرتا ہے۔

یکم اپریل کو واپسی تھی۔ بذریعہ کار بھیل واڑہ سے اودے پور کے لئے روانہ ہوا جہاں سے جہاز لینا تھا۔ راستہ میں ہم لوگ کچھ دیر کے لئے چتوڑ میں ٹھہرے جو بھیل واڑہ اور اودے پور کے بیچ میں ہے۔

چتور گڑھ میں ایک بہت بڑی درگاہ ہے۔ اس کا نام ہے "درگاہ قاضی چل پھر شاہ" اس درگاہ کی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی۔ درگاہ کی سیڑھیوں پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ انھوں نے مجھ کو دیکھ کر میرے ساتھی سے کہا: حضرت چل پھر شاہ انھیں کی طرح تھے۔ میں نے ان کو اپنی نوجوانی کی عمر میں دیکھا ہے۔

چتور گڑھ نہایت تاریخی مقام ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا قلعہ ہے جو آٹھویں صدی عیسوی میں بنایا گیا تھا۔ سولھویں صدی تک یہ شہر ریاست میواڑ کی راجدھانی تھا۔ یہاں سیسودیا راجپوت راج کرتے تھے۔

مسلم عہد میں سب سے پہلے علاء الدین خلجی نے ۱۳۰۳ء میں اس کا محاصرہ کیا۔ گجرات کے بہادر شاہ نے ۱۵۳۴ میں اور اکبر نے ۱۵۶۷ میں اس کا محاصرہ کیا۔ لیکن راجپوتوں نے نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مرد بڑی تعداد میں مارے گئے اور عورتوں نے اجتماعی خودسوزی کی رسم (جوہر) کے تحت اپنا خاتمہ کر لیا۔ مگر انھوں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ پہلی بار ۱۵۶۸ء میں اکبر اس کو فتح کرنے میں کامیاب ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں تیس ہزار راجپوت ہلاک ہو گئے (9/380)

اس وسیع قلعہ کے اندر بہت سی عمارتیں ہیں۔ انھیں میں سے ایک پدمنی محل بھی ہے۔ یہاں فاصلہ کے ساتھ نیچے اوپر دو عمارتیں بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان خلجی کی فرمائش پر نیچے کی عمارت میں رانا پرتاپ سنگھ کی رانی پدمنی بیٹھی جو بہت خوبصورت تھی۔ دوسری طرف سامنے کی عمارت میں بڑا سا آئینہ دیوار پر لگا تھا۔ اس آئینہ میں نیچے کی بالمقابل عمارت دکھائی دیتی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی نے اس آئینہ میں رانی پدمنی کا عکس دیکھا۔ وہ اس پر فریفتہ ہوگیا۔ مگر پدمنی نے سلطان کا پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری راجپوت خواتین کے ساتھ جوہر (خود سوزی) کے ذریعہ اس نے اپنا خاتمہ کر لیا۔ بورڈ میں اس کی بابت یہ الفاظ درج ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ سلطان خلجی نے پدمنی کو آئینہ کے ذریعہ دیکھا تھا:

Khilji is said to have seen her through mirrors.

چتورگڑھ کی ایک قابل دید چیز وجے استمبھ (Tower of victory) ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا قلعہ ہے۔ اس قلعہ کے اندر یہ استمبھ واقع ہے:

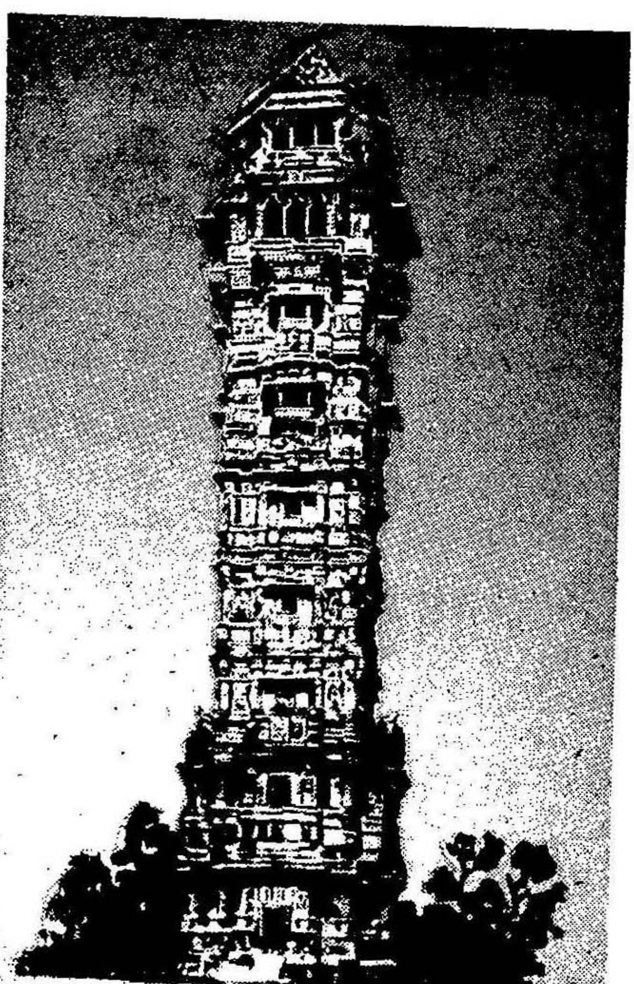

یہ ۱۲۲ فٹ اونچا ایک مینار ہے۔ اس کا اصل نام وجے استمبھ ہے۔ یعنی منارۂ فتح۔ یہاں آرکیالوجی کی طرف سے جو بورڈ لگایا گیا ہے اس پر لکھا ہوا ہے کہ رانا کمبھا کو ۱۴۴۰ء میں سلطان محمود خلجی (مالوہ) پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس فتح کی یادگار کے طور پر رانا نے ۱۴۵۸-۱۴۶۸ میں یہ استمبھ بنوایا۔ اس کی تعمیر پر جو پتھر لگائے گئے ہیں ان پر ہندو دیوی دیوتاؤں کی تصویریں تراش کر بنائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ہتھیاروں اور موسیقی کے سامانوں کی تصویریں بھی تراشی گئی ہیں۔ اسی کے ساتھ استمبھ کے اندر عربی رسم الخط میں اللہ بھی لکھا ہوا ہے۔

استمبھ کے باہر آرکیالوجی کا جو بورڈ لگا ہوا ہے اس پر اس کی بابت یہ الفاظ درج ہیں کہ استمبھ کی تیسری اور آٹھویں منزل پر عربی میں لکھا ہوا لفظ اللہ بتاتا ہے کہ راجہ دوسرے مذہبوں کا بھی کتنا احترام کرتا تھا:

The word "Allah" inscribed in Arabic in 3rd and 8th stories shows the regard of other faiths also.

مہارانا پرتاپ سنگھ (میواڑ) اور شہنشاہ اکبر کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی۔ مگر کیسی عجیب بات ہے کہ پرتاپ سنگھ کا سپہ سالار ایک مسلمان حکیم خاں سوری تھا۔ اور اکبر کا سپہ سالار ایک ہندو راجہ مان سنگھ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل دور میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف سیاسی بالادستی کی لڑائیاں تھیں۔ ان کا کچھ بھی تعلق مذہب سے نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو راجہ کی فوج میں مسلمان اور مسلم بادشاہ کی فوج میں ہندو ہوتے تھے۔ حتی کہ مذکورہ مثال کے مطابق، ہندو راجہ نے مسلم بادشاہ پر اپنی فتح کا مینار تعمیر کیا۔ تو اس کی دیواروں پر اس نے ہندو مذہبی علامتوں کے ساتھ عربی رسم الخط میں اللہ کا نام بھی کندہ کیا

اودے پور کا قلعہ دیکھنے کے بعد ہم لوگ ایر پورٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہم اپنے پروگرام کے مطابق، ٹھیک وقت پر ایر پورٹ پہنچ گئے۔ مگر وہاں معلوم ہوا کہ جہاز لیٹ ہے۔ میری واپسی انڈین ایر لائنز کے جہاز سے تھی۔ لیکن انڈین ایر لائنز میں تاخیر ایک عام چیز ہے اور وقت پر روانگی صرف ایک استثنا ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے باصرار کہا کہ آپ لوگ چلے جائیں۔ مگر وہ لوگ آخر وقت تک ایر پورٹ پر ٹھہرے رہے۔ جہاز کا مقرر وقت پونے چھ بجے

تھا۔ مگر جہاز عملاً ساڑھے سات بجے روانہ ہوا۔

اودے پور سے انڈین ایرلائنز کی فلائٹ ۴۹۴ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ راستہ میں انڈین ایرلائنز کے دو فلائٹ میگزین (سواگت) دیکھے۔ مارچ ۱۹۹۵ کے شمارہ میں ایک مضمون آگرہ کی کیتھولک سیمٹری (مسیحی قبرستان) کے بارہ میں تھا۔

اس میں بتایا گیا تھا کہ آگرہ کے اس قبرستان میں جن انگریزوں کی قبریں ہیں ان میں سے ایک انگریز سوداگر ملڈن ہال (Johan Mildenhall) ہے۔ وہ ۱۶۰۳ میں مغل دربار میں آیا۔ اس کے پاس الزبتھ اول کا ایک تعارفی خط تھا۔ اس میں مغل حکمراں سے ہندستان میں تجارت کی اجازت مانگی گئی تھی۔ اکبر نے کسی قدر تردد کے ساتھ تجارت کی اجازت دے دی۔ بعد کو سرٹامس رو (Sir Thomas Roe) جہاں گیر کے دربار میں آیا اس نے جہانگیر سے بات کرکے اس سے مزید رعایتیں حاصل کرلیں۔ اس طرح ہندستان میں انگریزوں کے نفوذ کے لئے دروازہ کھل گیا:

Thus heralding the rise of the British in India (p. 42)

انڈین ایرلائنز کا فلائٹ میگزین سواگت (اپریل ۱۹۹۵) دیکھا۔ اس میں تقریباً انگریزی اور نصف ہندی مضامین ہوتے ہیں۔ ہندی شعبہ میں ایک مضمون کا عنوان تھا: رہے گا بانس تو بجے گی بانسری۔ عنوان سے بظاہر یہ خیال ہو رہا تھا کہ یہ مضمون "بانسری" کے بارہ میں ہوگا۔ لیکن پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ بانسری کا ذکر اس میں محض ضمنی طور پر ہے۔ اصلاً یہ مضمون بانس کے بارہ میں تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ بانس ایک بہت مفید درخت ہے اور بانسری کے علاوہ اس کے بہت سے استعمال ہیں۔ مختلف ملکوں میں بانس کے استعمالات بتائے گئے تھے۔

میں نے سوچا کہ محض عنوان یا کوئی ظاہری پہلو دیکھ کر کسی چیز کے بارہ میں رائے قائم نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اس کو پوری طرح دیکھنا اور سمجھنا چاہئے۔ عین ممکن ہے کہ جزء کو دیکھ کر بظاہر جو رائے بنی تھی، وہ کل سے واقفیت کے بعد بدل جائے۔

انگریزی روزنامہ ہندو کا شمارہ یکم اپریل ۱۹۹۵ دیکھا۔ اس میں ایک خبر یہ تھی کہ گجرات کی حکومت نے ریاست کے تمام پرائمری اسکولوں، سکنڈری اسکولوں اور ہائر سکنڈری

اسکولوں کے لئے لازم قرار دیدیا ہے کہ تمام طلبہ روزانہ اجتماعی طور پر بندے ماترم کا ترانہ گائیں ۔ ایجوکیشن منسٹر مسٹر نلین بھٹ نے اسٹیٹ اسمبلی میں اس کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ وندے ماترم بچوں کے اندر حب الوطنی ، قومیت کا جذبہ پیدا کرنے میں مددگار ہوگا اور پوری قوم کو متحد کرنے کا ذریعہ بنے گا:

Vande Mataram would help the children in developing patriotism and nationalism and would be a vehicle to unite the entire nation. (p. 9)

میں نے ایک صاحب سے کہا کہ ترانوں سے کبھی کوئی قوم نہیں بنتی۔ ۱۹۴۷ سے پہلے پوری پاکستانی قوم نے یہ ترانہ گایا تھا اور اب بھی گاتی ہے کہ —— پاکستان کا مطلب کیا ، لاالٰہ الا اللہ ۔ لیکن مزاج اور کردار کی تعمیر کے اعتبار سے اس کا ایک پرسنٹ فائدہ بھی نہیں ہوا۔ یہی انجام بندے ماترم کا بھی ہوگا۔ اسکول کے بچے تو درکنار ، اگر انڈیا کے تمام لوگ ہر روز صبح کو یہ ترانہ گائیں تب بھی اس کا کوئی حقیقی عملی نتیجہ برآمد ہونے والا نہیں۔ اس طرح کے ترانے صرف بڑوں کو خوش کرتے ہیں، وہ بچوں کے تعمیر کردار میں کچھ بھی مددگار نہیں ہوتے۔

یکم اپریل ۱۹۹۵ کی شام کو ۹ بجے دہلی واپس آگیا۔ ایک غلط فہمی کی وجہ سے یہاں ایئرپورٹ پر لوگ دیر میں پہنچے۔ مجھ کو تقریباً پندرہ منٹ کھڑے ہو کر ان کا انتظار کرنا پڑا۔ یہ پندرہ منٹ اتنا لمبا معلوم ہوا کہ میری زبان سے نکلا کہ خدایا ، اس دنیا میں پندرہ منٹ کا انتظار بھی برداشت نہیں ہوتا۔ قیامت میں انسان کا حال کیا ہوگا جب اس کو لامعلوم مدت تک انتظار کی حالت میں کھڑا رہنا پڑے گا، جب کہ وہاں کا ہر منٹ دنیا کے منٹ سے بے حساب حد تک زیادہ سخت ہے۔

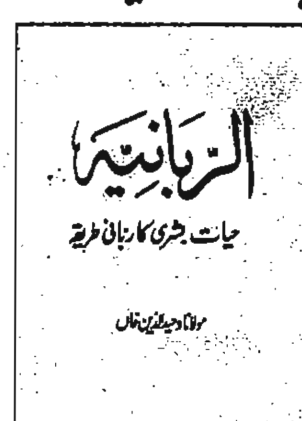

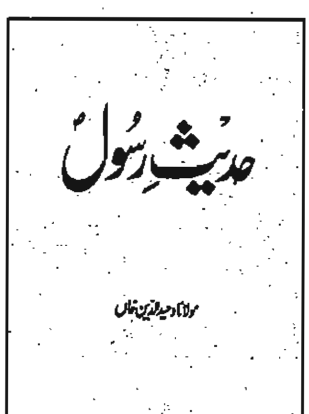

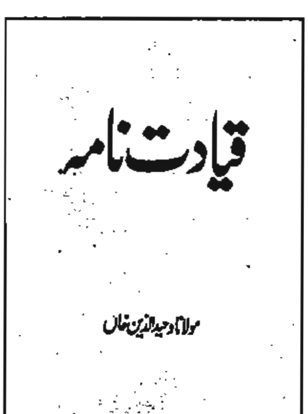

خبرنامہ اسلامی مرکز

کلکتہ کے ادارہ سنٹر فار ہندو مسلم انڈر اسٹینڈنگ کی طرف سے ۹ نومبر ۱۹۹۶ کو ایک سمینار ہوا۔ یہ سمینار بنگلہ اکیڈمی ہال میں منعقد کیا گیا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور سیکولرزم کا مستقبل (فیوچر آف سیکولرزم) کے موضوع پر تفصیلی خطاب کیا۔ اس خطاب کے بیشتر اجزا اسی دن کلکتہ ٹی وی سے نشر کئے گئے اور بنگلہ اخباروں میں شائع ہوئے۔

علامہ اقبال یونانی میڈیکل کالج کے زیر اہتمام مظفر نگر میں ایک سمینار ہوا۔ اس کا موضوع تھا اقلیت کے مسائل۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اور مذکورہ موضوع پر تقریر کی۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ انڈیا مسلمانوں کے لئے کوئی پرابلم کنٹری نہیں۔ یہاں ان کے لئے ہر قسم کی ترقی کے لئے وسائل موجود ہیں۔

بھارتیہ آریہ پرتندھ سبھا کی طرف سے ۱۲ نومبر ۱۹۹۶ کو گاندھی پیس فاؤنڈیشن (نئی دہلی) میں ایک پریس کانفرنس ہوئی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اس کا موضوع ملک میں مکمل شراب بندی تھا۔ انھوں نے اس موضوع پر اپنے خیالات پیش کئے۔ ایک سوال یہ تھا کہ شراب بند کرنے سے اٹھارہ ہزار کروڑ روپیہ سالانہ کا ریونیو کا نقصان ہوگا۔ وہ کہاں سے پورا ہوگا۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ شراب نوشی کا بہت گہرا تعلق جرائم سے ہے۔ شراب نوشی بند ہوگی تو جرائم گھٹیں گے۔ اس طرح کرائم کنٹرول کا خرچ بہت کم ہو جائے گا۔ اس کی مثال سعودی عرب ہے۔ وہاں شراب بندی اور دوسرے اسباب سے جرائم بہت کم ہوتے ہیں۔ چنانچہ کرائم کنٹرول کا غیر ضروری خرچ بچ کر سوشل ویلفیر کی مدوں میں استعمال ہوتا ہے جس سے عوام کو غیر معمولی فائدہ حاصل ہوا ہے۔

۱۰ دسمبر ۱۹۹۶ کو مایا میگزین کے نمائندہ مسٹر بی ڈی گوتم نے صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ بنیادی موضوع یہ تھا کہ ۱۹۹۶ کا سال مسلمانوں کے لئے کیسا سال تھا۔ اس سلسلہ میں بتایا گیا کہ ۱۹۹۶ میں مسلمان ہر لحاظ سے آگے بڑھے ہیں۔ وہ مزید جوش کے ساتھ تعلیم کے میدان

میں داخل ہوئے ہیں۔ نیز وہ اس حقیقت کو جان گئے ہیں کہ ٹکراؤ کی سیاست بے فائدہ سیاست ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ مل جل کر زندگی گزاری جائے اور نزاعی مسائل کو پر امن بات چیت کے ذریعہ حل کیا جائے۔

ورلڈ فلاسفرس میٹ کی دعوت پر نومبر ۱۹۹۶ کے آخری ہفتہ میں صدر اسلامی مرکز نے پونا کا سفر کیا۔ یہاں ہندستان کے علاوہ مختلف ملکوں کے سات سو ڈیلی گیٹ شریک ہوئے۔ اسلام میں امن کے تصور پر یہاں دو تقریریں ہوئیں۔ اس کے علاوہ شہر میں مختلف اجتماعات سے خطاب کیا۔ بعض مقامی اخبارات سے انٹرویو بھی لیا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ہندستان کے عام مسلمان یہاں کی نیشنل مین اسٹریم میں شریک ہیں۔ یہ صرف مسلمانوں کے خود ساختہ لیڈر ہیں جو اپنی جذباتی تقریروں سے الٹا تاثر دیتے ہیں۔

اسٹیٹس مین کے نمائندہ مسٹر ضیاء السلام نے ۲ دسمبر ۱۹۹۶ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق اسلامی رواج سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اسلام کے نام پر برصغیر ہند کے مسلمانوں میں جو رسوم رائج ہیں وہ زیادہ تر پڑوسی قوموں کے اثر سے مسلمانوں میں آگئے ہیں۔ وہ اسلام کی تعلیم کا نتیجہ نہیں۔

۱۸ دسمبر ۱۹۹۶ کو آریہ سماج کے دفتر (جنتر منتر روڈ، نئی دہلی) میں مختلف مذاہب کے دانشوروں کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ کلکتہ ہائی کورٹ نے نومبر ۱۹۹۶ میں اپنے ایک فیصلہ کے تحت بنگال میں عبادت خانوں کے اوپر لاؤڈ اسپیکر لگانے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ کہا گیا کہ یہ فیصلہ بالکل درست ہے اور پورے ملک میں اس پر عمل ہونا چاہیے۔ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال عبادت خانہ کے اندرونی حصہ میں بوقت ضرورت ہونا چاہیے۔ مگر باہر لاؤڈ اسپیکر لگانا صرف شور میں اضافہ کرتا ہے اس کا کوئی بھی مثبت فائدہ نہیں۔ اس پروگرام کا خلاصہ اسی دن ٹی وی پر دکھایا گیا۔

برلن کے ادارہ سنٹر فار ماڈرن اورینٹل اسٹڈیز کے ریسرچ اسکالر (Dr Dietrich Reetz) نے ۱۵ دسمبر ۱۹۹۶ کو صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کی۔ اور تفصیلی انٹرویو لیا۔ وہ انڈیا کی قبل از آزادی مسلم تحریکوں پر ریسرچ کر رہے ہیں۔

مذکورہ موضوع سے متعلق معلومات دیتے ہوئے کہا گیا کہ یہ تحریکیں زیادہ تر رد عمل کے تحت اٹھنے والی تحریکیں تھیں۔ وہ مثبت معنوں میں اسلامی تحریکیں نہ تھیں۔

آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے ۱۱ جنوری ۱۹۹۷ کو صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر نشر ہوئی۔ اس تقریر کا موضوع تھا: روزہ کی انفرادی اور اجتماعی اہمیت۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ رمضان کا روزہ ایک سالانہ تربیت ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے اندر اسلامی اسپرٹ اور اسلامی کردار پیدا کیا جائے تاکہ وہ سال کے بقیہ مہینوں میں اس کے مطابق زندگی گزاریں۔

نئی دہلی کے پروٹسٹنٹ چرچ (کیتھڈرل) میں ۲۷ دسمبر ۱۹۹۶ کو ایک فنکشن ہوا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور باہمی ہم آہنگی اور میل ملاپ کی اہمیت پر ایک تقریر کی۔

۲۵ دسمبر ۱۹۹۶ کو سہارن پور (پنجابی ہوٹل) میں ایک سمینار ہوا۔ اس کا موضوع تھا: مسلم اقلیت کے تعلیمی مسائل۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر شرکت کی۔ اور اس موضوع پر ایک تقریر کی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمارا تعلیمی مسئلہ خود ہماری محنت اور جدوجہد سے حل ہوگا نہ کہ شکایت اور مطالبہ کی مہم چلانے سے۔

نائیڈا نہرو یووک کیندر میں ۲۹ دسمبر ۱۹۹۶ کو ایک جلسہ ہوا۔ اس میں تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان شریک ہوئے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے شرکت کی۔ اور "محبت انسانی" کے موضوع پر تقریر کی۔

راشٹریہ سہارا (ہندی) کے نمائندہ شری کرشن دیو نے ۲۹ دسمبر ۱۹۹۶ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس موضوع سے تھا کہ ۱۹۹۷ کے لئے آپ کے نزدیک نیشنل ایجنڈا کیا ہونا چاہئے۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ حقیقت کو تسلیم کرنا ہمارے لئے عمل کا راستہ کھولتا ہے۔ اور حقیقت سے ٹکرانا پیش قدمی کے عمل کو روک دیتا ہے۔

پیغمبر انقلاب کا مراٹھی ترجمہ پروفیسر سانے نے کیا ہے اور جناب کارنک صاحب نے شائع کروایا ہے۔ کتاب حاصل کرنے کے لئے ذیل کے پتہ پر خط وکتابت کریں۔

D.B. Karnik, A-68 Adarsha Nagar, Worli, Mumbai-25, Ph: 4220304

صحافت اب بھی مشن ہے

یہ جملہ آپ کے لئے شاید ناقابل یقین ہو، لیکن۔۔۔۔

ماہنامہ افکار ملی دہلی

غور سے پڑھئے

آپ

جان جائیں گے کہ

- حق کی طرفداری کیا ہوتی ہے
- بے لاگ تجزیہ کسے کہتے ہیں
- معیار و حسن کا امتزاج کیسا ہوتا ہے
- مؤثر اشتہار کا مناسب اور باکفایت مقام کیا ہے

صحافت کی اصل روح ضرورت یا کاروبار نہیں، اعلیٰ مقاصد کی جستجو ہے، جد و جہد ہے!!

افکار ملی

ہر گھر کے لئے　　گھر بھر کے لئے

فی شمارہ ۱۲ روپے، زر سالانہ ۱۲۰ روپے

E_22/153 ذاکر نگر، جامعہ نگر نئی دہلی۔ ۲۵

Tel:6844603 Fax: 91_11_6820318

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اُردو		مطالعۂ سیرت	9/-	حیاتِ طیبہ	7/-
تذکیر القرآن جلد اول	200/-	ڈائری جلد اول	-	باغِ جنّت	7/-
تذکیر القرآن جلد دوم	200/-	کتاب زندگی	40/-	نارِ جہنّم	7/-
اللہ اکبر	45/-	انوارِ حکمت	-	خلیج ڈائری	10/-
پیغمبرِ انقلاب	40/-	اقوالِ حکمت	20/-	رہنمائے حیات	7/-
مذہب اور جدید چیلنج	45/-	تعمیر کی طرف	8/-	مضامین اسلام	30/-
عظمتِ قرآن	30/-	تبلیغی تحریک	20/-	تعددِ ازواج	3/-
عظمتِ اسلام	50/-	تجدیدِ دین	20/-	ہندستانی مسلمان	40/-
عظمتِ صحابہ	7/-	عقلیات اسلام	30/-	روشن مستقبل	7/-
دینِ کامل	50/-	مذہب اور سائنس	-	صومِ رمضان	7/-
الاسلام	40/-	قرآن کا مطلوب انسان	8/-	علمِ کلام	9/-
ظہورِ اسلام	40/-	دین کیا ہے	8/-	اسلام کا تعارف	4/-
اسلامی زندگی	25/-	اسلام دینِ فطرت	7/-	علماء اور دورِ جدید	8/-
احیاءِ اسلام	20/-	تعمیرِ ملّت	6/-	سیرتِ رسولؐ	
رازِ حیات	50/-	تاریخ کا سبق	7/-	ہندستان آزادی کے بعد	3/-
صراطِ مستقیم	40/-	فسادات کا مسئلہ	5/-	مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	8/-
خاتونِ اسلام	50/-	انسان اپنے آپ کو پہچان	5/-		
سوشلزم اور اسلام	40/-	تعارفِ اسلام	5/-	سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	7/-
اسلام اور عصرِ حاضر	30/-	اسلام پندرھویں صدی میں	5/-	الاسلام یتحدی	85/-
الربانیہ	40/-	راہیں بند نہیں	7/-	**ہندی**	-
کاروانِ ملّت	45/-	ایمانی طاقت	7/-	سچائی کی تلاش	8/-
حقیقتِ حج	30/-	اتحادِ ملّت	7/-	انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
اسلامی تعلیمات	25/-	سبق آموز واقعات	7/-	پیغمبرِ اسلام	4/-
اسلام دورِ جدید کا خالق	25/-	زلزلۂ قیامت	10/-	سچائی کی کھوج	-
حدیثِ رسولؐ	25/-	حقیقت کی تلاش	7/-	آخری سفر	8/-
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	85/-	پیغمبرِ اسلام	5/-	اسلام کا پریچے	8/-
سفرنامہ (ملکی اسفار)	-	آخری سفر	7/-	پیغمبرِ اسلام کے مہان ساتھی	8/-
میوات کا سفر	35/-	اسلامی دعوت	7/-	راستے بند نہیں	7/-
قیادت نامہ	20/-	خدا اور انسان	7/-	جنت کا باغ	8/-
راہِ عمل	25/-	حل یہاں ہے	10/-	بھوتِنی واد اور اسلام	3/-
تعبیر کی غلطی	60/-	سچا راستہ	5/-	اتہاس کا سبق	9/-
دین کی سیاسی تعبیر	20/-	دینی تعلیم	7/-	اسلام ایک سوابھاوک مذہب	

A Treasury of the Qur'an	75.00
The Beautiful Commands of Allah	125.00
The Beautiful Promises of Allah	175.00
The Wonderful Universe of Allah	95.00
Words of the Prophet Muhammad	75.00
Muhammad: A Prophet for All Humanity	165.00
The Life of the Prophet Muhammad	75.00
Sayings of Muhammad	75.00
Presenting the Qur'an	165.00
The Soul of the Qur'an	125.00
Indian Muslims	65.00
Islam and Modern Challenges	95.00
Islam: The Voice of Human Nature	30.00
Islam: Creator of the Modern Age	55.00
Woman Between Islam and Western Society	95.00
Woman in Islamic Shari'ah	65.00
Islam As It is	55.00
Religion and Science	45.00
The Way to Find God	20.00
The Teachings of Islam	25.00
The Good Life	20.00
The Garden of Paradise	25.00
The Fire of Hell	25.00
Man Know Thyself	8.00
Muhammad: The Ideal Character	8.00
Tabligh Movement	40.00
Polygamy and Islam	7.00
Hijab in Islam	20.00
Concerning Divorce	7.00
An Islamic Treasury of Virtues	

AL-RISAL BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013, Tel 4611128, Fax 4697333

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصّہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوّت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرِ تعاون الرسالہ

ہندستان کے لیے		بیرونی ممالک کے لیے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال	Rs. 90	ایک سال	$20 / £10	$10 / £5
دو سال	Rs. 170	دو سال	$35 / £18	$18 / £8
تین سال	Rs. 250	تین سال	$50 / £25	$25 / £12
پانچ سال	Rs. 400	پانچ سال	$80 / £40	$40 / £18
خصوصی تعاون (سالانہ)	Rs 500	خصوصی تعاون (سالانہ)	$100 / £50	

Finest collection of books on Islam

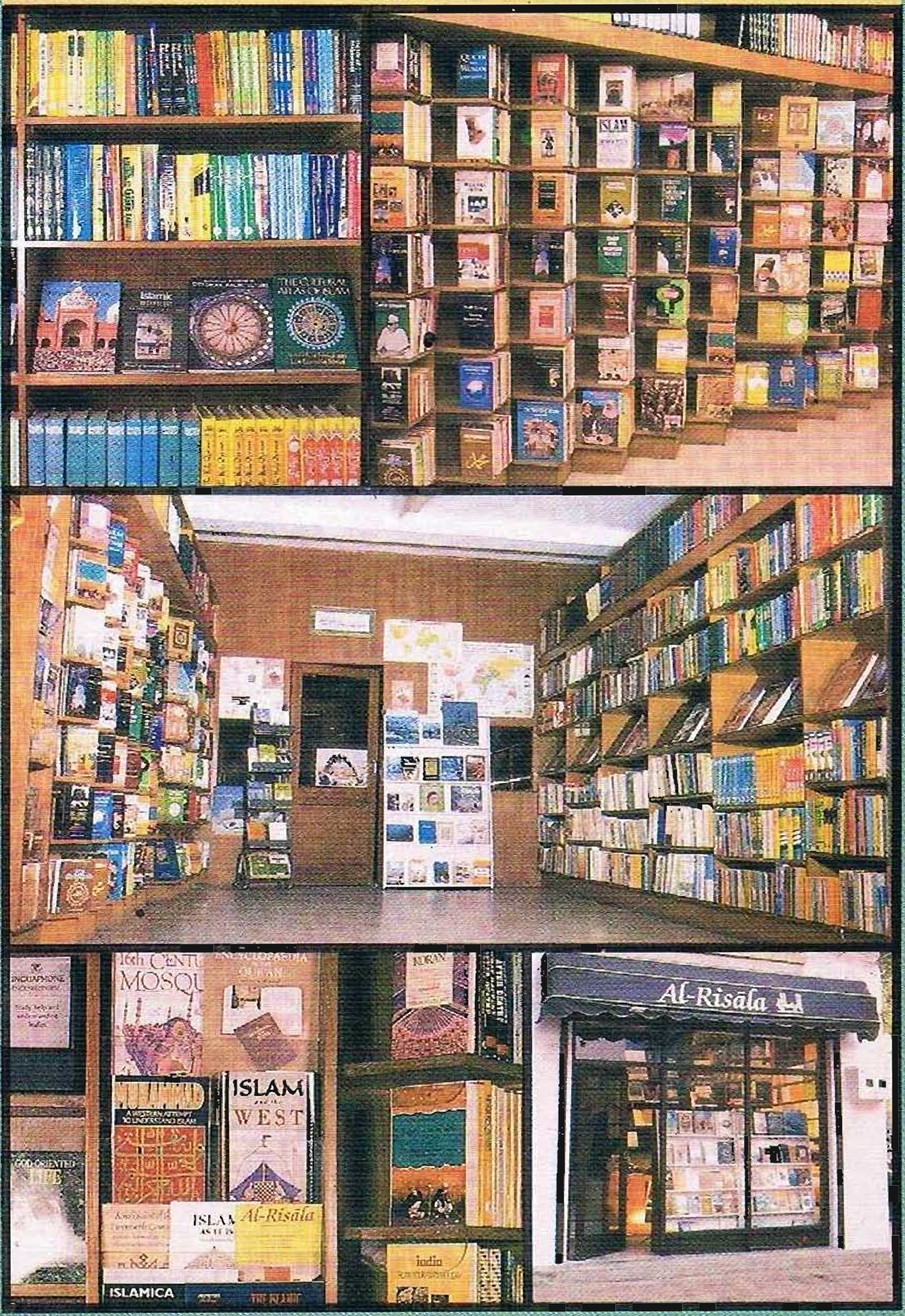

RNI 28822/76 • U(SE) 12/97
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/97

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013

Tel. 4611128 Fax 4697333